پاکستان کے پہلے گورنر جنرل پر پہلی مستند کتاب

قائداعظم
بحیثیت گورنر جنرل

نئی ریاست کی تشکیل
فیصلے اور اقدامات

قیوم نظامی

قائداعظم کا تصور پاکستان سیاسی، معاشی، مذہبی بنیادیں

RETURN TO QUAID-E-AZAM'S PAKISTAN

قائداعظم کا نظریہ ریاست

پہلے گورنر جنرل کی حیثیت میں نئی ریاست کی تشکیل

شخصیت، کردار، سول ملٹری تعلقات، بیوروکریسی، خواتین، اقلیتیں، ایڈمنسٹریشن، قانون کی حکمرانی، معاشی وژن، خارجہ پالیسی، تعلیم، طلبہ، پہلی وفاقی کابینہ، اسلام اور سیکولرازم

قیوم نظامی

جُمہوری پبلیکیشنز

سے کہا کہ دیر تک پڑھنے سے ان کی صحت خراب ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا اگر میں دیر تک نہیں پڑھوں گا تو بڑا آدمی کیسے بنوں گا۔''

قائداعظم نے گورنر جنرل کی حیثیت سے 9 اگست 1947ء کو کراچی کلب میں ایک ڈنر پارٹی سے خطاب کرتے ہوئے کہا، ''بے شک میں کراچی میں پیدا ہوا۔ لڑکپن میں اسی شہر کے گلی کوچوں میں گولیاں کھیلتا رہا۔ یہیں میں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ پھر اسی شہر سے میں لندن چلا گیا اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسی شہر میں واپس آیا۔'' جناح لڑکپن میں اپنے والد کے ساتھ ایک عدالت میں گئے اور پہلی بار ایک وکیل کو گاؤن میں دیکھا تو کہا کہ ''میں ایک بیرسٹر بنوں گا۔''[4]

1892ء میں لندن روانگی سے پہلے جناح کی والدہ نے اپنے بیٹے کی شادی پنیلی گاؤں کی ایک کھوجہ لڑکی ایمی بائی سے کر دی۔ اُس وقت جناح کی عمر سولہ سال تھی۔ برطانیہ کے بارے میں جناح نے اپنے پہلے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے:

''میرے لیے برطانیہ ایک اجنبی ملک تھا اور میں ماحول سے آشنا نہ تھا۔ میں کسی شخص کو نہیں جانتا تھا۔ لندن کی دھند اور سردی نے مجھے سخت پریشان کیا مگر میں بہت جلد اس کا عادی ہو گیا اور میں بہت خوش رہا۔''[5]

"I found a strange country and unfamiliar surroundings. I did not know a soul, fog and winter in London upset me a great deal, but I soon settled down and was quite happy."

جناح نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لنکنز ان (Lincoln's Inn) میں داخلہ لے لیا۔ جناح نے بعد میں بتایا کہ انہوں نے لنکنز ان میں داخلہ اس لیے لیا کیوں کہ اس کے مرکزی داخلی دروازے پر حضور اکرم ﷺ کا نام تحریر تھا اور دنیا کو قانون دینے والی عظیم شخصیات کی فہرست میں شامل کیا گیا تھا۔ جناح نے دو سال کے اندر اپنا کورس مکمل کر لیا۔ بار ایٹ لا کرنے والے ہندوستانی طلباء میں وہ سب سے کم عمر بیرسٹر تھے۔ جناح کو نصاب اور امتحانات کے مروجہ مراحل پورے کرنے کے لیے مزید ایک سال انتظار کرنا پڑا۔

جناح لندن میں قیام کے دوران لارڈ مورلے اور انڈین سیاست دان دادا بھائی نوروجی کی لبرل سیاست سے بہت متاثر ہوئے۔ دادا بھائی نوروجی جولائی 1882ء میں لبرل پارٹی کے ٹکٹ پر فنسبری (Finsbury) کے انتخابی حلقہ سے ہاؤس آف کامنز کے رُکن منتخب ہوئے۔ جناح نے انتخابی مہم میں حصہ لیا۔ جناح ہاؤس آف کامنز لندن میں لبرل لیڈروں کی تقاریر بڑے شوق سے سنتے۔ جناح نے کہا کہ دادا بھائی نوروجی اُن کے لیے ''حقیقی دادا'' ثابت ہوئے۔[6]

جناح دادا بھائی نوروجی کی شخصیت اور سیاست سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ بھارت میں کچھ عرصہ اُن کے پرائیویٹ سیکریٹری کے طور پر بھی فرائض انجام دیتے رہے۔ جناح کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دو تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ لندن میں قیام کے دوران ہی انہوں نے اپنا نام محمد علی جناح بھائی سے ایم اے جناح تبدیل کر لیا تھا۔☆ وہ زندگی کے آخری سانس تک لبرل سیاست دان ہی رہے۔ دادا بھائی نوروجی لبرل ازم اور نیشنلزم کی وجہ سے ہندوستانیوں اور انگریزوں میں مقبول تھے اور ''عظیم الشان ہندوستانی بابا'' کے نام سے مشہور تھے۔

جناح، لندن میں کرسمس کی ایک تقریب میں شریک تھے۔ ایک انگریز خاتون نے اُن سے بغل گیر ہو کر بوسے کی فرمائش کی۔ جناح نے انکار کر دیا اور کہا کہ ان کی سماجی اخلاقیات انہیں ایسی حرکات کی اجازت نہیں دیتی۔[7] جناح نے لندن کی شیکسپیئر تھیٹریکل کمپنی میں ملازمت کی پیشکش قبول کر لی۔ وہ شیکسپیئر کے ڈراموں میں اسٹیج پر جا کر شیکسپیئر کے ڈائیلاگ بولتے۔ جناح کے والد کو علم ہوا تو انہوں نے سخت خط لکھا اور جناح کو تنبیہ کرتے ہوئے تحریر کیا:

''خاندان سے غداری مت کرو۔''[8]

"Do not be a traitor of the family."

جناح نے والد کے خط کے بعد یہ ملازمت چھوڑ دی۔ لندن میں قیام کے دوران ہی جناح کی والدہ اور بیوی فوت ہو گئیں۔ جناح 1896ء میں لندن سے ہندوستان واپس آئے۔ وہ کچھ عرصہ کراچی میں قیام کے بعد بمبئی منتقل ہو گئے۔ ممبئی صوبے کا دارالحکومت تھا اور وہاں ہائی کورٹ بھی تھی۔ اور وکالت میں کامیابی کے امکانات بھی زیادہ تھے۔ انہوں نے 1897ء میں ممبئی ہائی کورٹ میں بطور وکیل ممبرشپ حاصل کر لی۔ جناح کے ممبئی میں پہلے تین سال بہت مشکل گزرے۔ وہ باقاعدگی کے ساتھ اپنے گھر سے پیدل لاء آفس جاتے اور خالی ہاتھ واپس آجاتے۔[9]

ممبئی کے قائمقام ایڈوکیٹ جنرل جان مولسورتھ (John Molesworth Macpherson) نے نوجوان جناح کو اپنے چیمبر میں کام کرنے کی پیش کش کر دی۔ سروجنی نائیڈو نے اس پیشکش کے بارے میں تحریر کیا:۔

''یہ اپنی نوعیت کی پہلی مہربان پیش کش تھی جو کسی ہندوستانی کو کی گئی۔ جسے جناح نے تاریک مایوسیوں کے ابتدائی دور میں اُمید کی روشن کرن قرار دیا۔''[10]

"A courteous concession the first of its kind ever extended to an Indian, which Jinnah remembered as a beacon of hope in the dark distress of his early struggles."

جناح 1900ء کے آغاز میں عارضی طور پر ریزیڈینس مجسٹریٹ تعینات ہو گئے۔ جناح کے مقدر کا ستارہ

سامنے ادب واحترام کے ساتھ مسلمانوں کی ضروریات اور خواہشات کو پیش کرنا۔"[17]

"Protect and advance the political rights and interests of the Musalmans of India and to respectfully represent their needs and aspirations to the Government."

آغا خان مسلم لیگ کے پہلے صدر منتخب ہوئے حالاں کہ وہ اجلاس میں شریک بھی نہیں تھے۔ آغا خان کے مطابق جناح نے مسلم لیگ کے قیام کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ مسلم لیگ کا جُداگانہ انتخابات کا فارمولا قوم کو تقسیم کردے گا۔[18]

جناح 4 جنوری 1910ء میں پہلی بار ممبئی سے امپیریل لیجسلیٹو اسمبلی کے رُکن منتخب ہوئے۔ اُس وقت اُن کی عمر 33 سال تھی۔ جناح نے 17 مارچ 1911ء کو اسمبلی میں مسلم وقف علی الاولاد بل (Wakf Validating Bill) پیش کر کے ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں شہرت حاصل کر لی اور مسلمانوں کے شرعی حقوق کے لیے عملی جدوجہد کا آغاز کردیا۔ اس بل کی منظوری کے بعد مسلم لیگ نے اُن کو اپنے اجلاسوں میں دعوت دینا شروع کردی۔ ہندوستان کے نیشنلسٹ لیڈر گوکھلے نے جناح کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیا۔ جناح اور گوکھلے کے سیاسی نظریات میں ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ دونوں لبرل اور نیشنلسٹ لیڈر تھے۔ جناح نے ایک موقع پر اس خواہش کا اظہار کیا۔

''میری ایک خواہش یہ ہے کہ میں مسلمانوں کا گوکھلے بن جاؤں۔''[19]

"One ambition to become Muslim Gokhale."

جناح نوروجی اور گوکھلے کے علاوہ سیکولر، لبرل اور ماڈرن لیڈروں سر فیروز شاہ مہتہ (صدر کانگریس 1890ء)، جسٹس برہان الدین (ہائی کورٹ کے پہلے جج اور کانگریس کے تیسرے صدر)، بھارت کی شاعرہ سروجنی نائیڈو کے قریبی دوست تھے۔ اُن کے اکثر سیاسی دوست ہندو، پارسی اور عیسائی تھے۔[20]

مسلم لیگ کے سیکریٹری سید وزیر حسن اور مولانا محمد علی جوہر کے اصرار پر جناح 10 اکتوبر 1913ء کو اس شرط پر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

''مسلم لیگ اور مسلمانوں کے مفاد کے ساتھ وفاداری کسی بھی صورت میں اور کسی بھی وقت ان کی اس بڑے قومی مقصد کے ساتھ ذرہ بھر بے وفائی نہیں سمجھی جائے گی جس کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ اس وقت تک ہندو مسلم اتحاد ان کی زندگی کا بڑا مقصد تھا۔''[21]

"Loyality to the Muslim League and the Muslim interest would ... time imply even the shadow of disloyality

to the larger national cause to which his life was dedicated."

جناح مئی 1914ء میں لندن کے دورے کے لیے کانگریس وفد کے چیف ترجمان نامزد ہوئے اور 19ء تک کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کرتے رہے اور ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کی حیثیت سلم لیگ اور کانگریس میں اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوششوں میں شریک رہے۔ اُن کی یہ کوششیں رنگ یں۔ 1916ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے لیڈروں کا مشترکہ اجلاس لکھنؤ میں ہوا جس کی صدارت جناح کی۔ اس تاریخی اجلاس میں دونوں سیاسی جماعتوں کے رہنما ایک معاہدے پر متفق ہو گئے جسے لکھنؤ پیکٹ کا نام گیا۔ بمبئی کرانیکل نے اپنے شمارے یکم جنوری 1916ء میں جناح کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے تحریر کیا:

"یہ صرف جناح کی ہندو مسلم اتحاد کی ذاتی کوششوں کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔"

"This was made possible by the singal service of Jinnah to the cause of Hnidu - Muslim unity."

لکھنؤ پیکٹ کے بعد جناح کا شمار ہندوستان کے مرکزی لیڈروں میں ہونے لگا۔ جناح نے 29 جولائی 1917ء میں ممبئی میں ہوم رول لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔

سر ڈنشا پٹیٹ جناح کے دوست تھے۔ وہ ممبئی کے معروف پارسی صنعت کار تھے۔ سر ڈنشا کی ایک بیٹی رتی بائی پریوں کی شہزادی تھی۔ جناح اور رتی ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے اور شادی کا ارادہ کر لیا۔ جناح نے رتی کو ایک خط لکھا جو ڈنشا نے دیکھ لیا اور جناح کو اپنے گھر آنے سے روک دیا۔[22] رتی کے والدین اپنے خاندان سے باہر شادی کے لیے تیار نہیں تھے۔ رتی کی عمر جب 18 سال کی ہوئی تو وہ چپکے سے جناح کے بنگلے میں منتقل ہو گئی۔ رتی نے اسلام قبول کر لیا، اُن کا نیا نام مریم رکھا گیا۔ 19 اپریل 1918ء کو جناح اور رتی نے راجہ صاحب آف محمود آباد کے بنگلے میں ایجاب و قبول کر لیا۔ شادی کے وقت رتی کی عمر 18 سال اور جناح کی عمر 40 سال تھی۔ کانجی دوارکا داس نے "رتی جناح" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں رتی کی شخصیت اور حسن کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

"رتی ایک مسحور کن بچی تھی۔ بیش بہا درخشاں اور خداداد صلاحیتوں کا مرقع تھی۔ وہ 'پریوں کی شہزادی' دکھائی دیتی تھی۔ وہ اس قدر دلکش اور نرم و نازک تھی کہ اس کے سراپا کو حقیقی کہنا مشکل تھا۔"[23]

"Ratti was thoroughly enchanting child, preciously bright, gifted in every art. She seemed "Fairy Princess" almost too lovely, too bright to be real."

رتی کو رومانوی شاعری کا شوق تھا اور سیاست میں دلچسپی لیتی تھی۔ اُسے "ممبئی کا پھول" بھی کہا جاتا تھا۔

ممبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن نے جناح اور رتی کو ڈنر کی دعوت دی۔ اس موقع پر رتی جناح نے گہرے گلے والا لباس پہن رکھا تھا۔ گورنر کی بیگم کو رتی کا ماڈرن لباس پسند نہ آیا اور اس نے اپنے اے ڈی سی سے کہا کہ مسز جناح کے لیے چادر لے آؤ، شاید انہیں سردی محسوس ہو رہی ہو۔ یہ ریمارکس سنتے ہی جناح کھانے کی میز سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے ڈنر کیے بغیر گورنر ہاؤس سے چلے گئے۔ ''مسز جناح اگر سردی محسوس کریں تو وہ خود چادر طلب کر سکتی ہیں۔''[24]

جناح اور رتی کی ازدواجی زندگی خوشگوار نہ گزری۔ عمر کا فرق بھی تھا اور جناح سیاسی مصروفیات کی وجہ سے رتی کو مناسب وقت بھی نہیں دے پاتے تھے۔ رتی 20 فروری 1929ء کو وفات پا گئیں۔

جناح 31 دسمبر 1919ء کو مسلم لیگ کے مستقل صدر منتخب ہو گئے۔ وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی پالیسیوں سے بددل ہوتے جا رہے تھے۔ انہوں نے گاندھی کے سیاسی فلسفہ سے اختلاف کیا۔ جناح ہندوستان کی آزادی کے لیے آئینی اور جمہوری جدوجہد کے قائل تھے جب کہ گاندھی احتجاجی سیاست میں یقین رکھتے تھے۔ گاندھی نے تحریک خلافت کی حمایت کی۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور ڈاکٹر انصاری اس تحریک کے ہراوّل دستے میں شامل رہے۔ اقبال بھی خلافت کمیٹی پنجاب کے سیکریٹری بن گئے۔ مگر جناح تحریک خلافت سے الگ تھلگ رہے اور گاندھی سے اختلاف کرتے ہوئے کہا:

''مذہب کو سیاست میں شامل کرنا ایک جرم تھا جس کا مظاہرہ گاندھی نے کیا۔''[25]

"That it was a crime to mix up politics and religion the way he had done."

جناح اُصولی طور پر عدم تعاون (Non-cooperation) کی حکمت عملی کے خلاف تھے۔ اُن کا تحریک خلافت سے الگ رہنے کا فیصلہ درست ثابت ہوا۔ 1919ء میں دستور ساز اسمبلی نے رولٹ ایکٹ منظور کیا۔ قائداعظم انسانی حقوق کے علمبردار تھے انہوں نے اس ایکٹ کو بلیک لاء قرار دیا اور احتجاج کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا۔

کانگریس کا ایک اجلاس دسمبر 1920ء کو ناگپور میں ہوا جس میں 1400 مندوبین شریک ہوئے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس اجلاس میں گاندھی نے ہوم رول لیگ کے فیصلے کی حمایت میں ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا کہ برطانیہ سے کیے گئے تمام معاہدے منسوخ کر دیئے جائیں اور ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے عدم تعاون کی تحریک شروع کی جائے اور برطانوی اشیا کا بائیکاٹ کیا جائے۔ مندوبین نے گاندھی کی قرارداد کی پُرجوش مکمل حمایت کی۔ جناح نے اس قرارداد کی مخالفت کی اور گاندھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:۔

ممبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن نے جناح اور رتی کو ڈنر کی دعوت دی۔ اس موقع پر رتی جناح نے گہرے گلے والا لباس پہن رکھا تھا۔ گورنر کی بیگم کو رتی کا ماڈرن لباس پسند نہ آیا اور اُس نے اپنے اے ڈی سی سے کہا کہ بیگم جناح کے لیے چادر لے آؤ، شاید انہیں سردی محسوس ہو رہی ہو۔ یہ ریمارکس سنتے ہی جناح کھانے کی میز سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے ڈنر کیے بغیر گورنر ہاؤس سے چلے گئے۔ ''مسز جناح اگر سردی محسوس کریں تو وہ خود چادر طلب کر سکتی ہیں۔''[24]

جناح اور رتی کی ازدواجی زندگی خوشگوار نہ گزری۔ عمر کا فرق بھی تھا اور جناح سیاسی مصروفیات کی بنا پر رتی کو مناسب وقت بھی نہیں دے پاتے تھے۔ رتی 20 فروری 1929ء کو وفات پا گئیں۔

جناح 31 دسمبر 1919ء کو مسلم لیگ کے مستقل صدر منتخب ہو گئے۔ وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی پالیسیوں سے بددل ہوتے جا رہے تھے۔ انہوں نے گاندھی کے سیاسی فلسفہ سے اختلاف کیا۔ جناح ہندوستان کی آزادی کے لیے آئینی اور جمہوری جدوجہد کے قائل تھے جب کہ گاندھی احتجاجی سیاست میں یقین رکھتے تھے۔ گاندھی نے تحریک خلافت کی حمایت کی۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خان، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور ڈاکٹر انصاری اس تحریک کے ہراوّل دستے میں شامل رہے۔ اقبال بھی خلافت کمیٹی پنجاب کے سیکریٹری بن گئے۔ مگر جناح تحریک خلافت سے الگ تھلگ رہے اور گاندھی سے اختلاف کرتے ہوئے کہا:

''مذہب کو سیاست میں شامل کرنا ایک جرم تھا جس کا مظاہرہ گاندھی نے کیا۔''[25]

"That it was a crime to mix up politics and religion the way he had done."

جناح اُصولی طور پر عدم تعاون (Non-cooperation) کی حکمت عملی کے خلاف تھے۔ اُن کا تحریک خلافت سے الگ رہنے کا فیصلہ درست ثابت ہوا۔ 1919ء میں دستور ساز اسمبلی نے رولٹ ایکٹ منظور کیا، قائداعظم انسانی حقوق کے علمبردار تھے انہوں نے اس ایکٹ کو بلیک لاء قرار دیا اور احتجاج کرتے ہوئے دستور ساز اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا۔

کانگریس کا ایک اجلاس دسمبر 1920ء کو ناگپور میں ہوا جس میں 1400 مندوبین شریک ہوئے جن میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ اس اجلاس میں گاندھی نے ہوم رول لیگ کے فیصلے کی حمایت میں ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا کہ برطانیہ سے کیے گئے تمام معاہدے منسوخ کر دیے جائیں اور ہندوستان کی مکمل آزادی کا مطالبہ کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے عدم تعاون کی تحریک شروع کی جائے اور برطانوی اشیا کا بائیکاٹ کیا جائے۔ مندوبین نے گاندھی کی قرارداد کی پُرجوش مکمل حمایت کی۔ جناح نے اس قرارداد کی مخالفت کی اور گاندھی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"تمہارا راستہ غلط راستہ ہے اور میرا راستہ درست ہے آئینی راستہ ہی درست راستہ ہے۔"[26]

"Your way is the wrong way mine is the right way the [illegible]stitutional way is the right way."

اس اجلاس میں ہندو مبین نے جناح کے خلاف نعرے لگائے۔ جناح نے اپنے خطاب میں گاندھی کو مسٹر گاندھی کہا تو شرکاء نے بلند آواز میں کہا: "نہیں مہاتما گاندھی۔"[27] شدید مخالفت کے باوجود جناح اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور انہوں نے 28دسمبر 1920ء کو کانگریس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ جناح نے امپریل لیجسلیٹو کونسل سے بھی استعفیٰ دے دیا۔ وہ کچھ عرصہ سیاسی سرگرمیوں کی بجائے اپنی وکالت اور سوشل لائف میں زیادہ دلچسپی لیتے رہے۔ جناح عوام کو وقتی اور عارضی طور پر خوش کرنے کی بجائے حقائق کی بنیاد پر درست فیصلے کرتے اور عوام کی درست رہنمائی کرتے جب کہ اُن کے سیاسی مخالفین عوام کو خوش کرنے کے لیے آئینی حدود تجاوز کرنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ جناح 14نومبر 1923ء کو سینٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے بلا مقابلہ رُکن منتخب ہو گئے۔ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی کوششیں جاری رکھیں۔ جناح 1925ء میں ڈیفنس کمیٹی کے رُکن نامزد ہوئے اس کمیٹی کے ذمہ افواج کو ہندوستانی مزاج اور ذہن کے مطابق ڈھالنے کا کام سپرد کیا گیا۔ جناح نے اس کمیٹی میں گہری دلچسپی لی۔

جب نہرو نے اپنی آئینی رپورٹ پیش کی تو جناح نے اس رپورٹ کو مسترد کر دیا اور اپنی آئینی ترامیم پیش کیں جنہیں جناح کے "چودہ نکات" کا نام دیا گیا۔ جناح چاہتے تھے کہ ہندوستان کے آئین میں یہ ضمانت دی جائے کہ دونوں ایوانوں میں منتخب ہونے والے اراکین میں سے ایک تہائی مسلمان ہوں گے اور جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اُن کو مکمل صوبائی خودمختاری دی جائے گی تاکہ مرکزی حکومت ہندوؤں کی اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کا استحصال نہ کر سکے۔ جناح چاہتے تھے کہ کانگریس اور مسلم لیگ ایسے آئینی فارمولے پر رضامند ہو جائیں جس سے ہندو مسلم اتحاد قائم رہے۔ کانگریس کے لیڈر موتی لال نہرو نے جناح کے چودہ نکات کو "Preposterous" یعنی لچر اور بے ہودہ قرار دیا اور کانگریس سے کہا کہ وہ قائداعظم کو نظر انداز کر دے۔[28]

قائداعظم نے چائلڈ میرج کی رسم کو روکنے کے لیے انسداد چائلڈ میرج بل کی حمایت کی حالاں کہ ہندو [illegible] مسلمانوں کے مذہبی رہنما اس بل کی مخالفت کر رہے تھے۔ چائلڈ میرج کی مخالفت میں اسمبلی کے [illegible]ل تقریر کے بعد قائداعظم انسانی حقوق کے علمبردار کے طور پر سامنے آئے۔

[illegible]1928ء کو کلکتہ میں آل پارٹیز کانفرنس ہوئی۔ جناح نے اپنی تجاویز اس کانفرنس میں پیش

کیس اور شرکا کو انتباہ کیا کہ اگر مجوزہ آئین میں بھارت کی اقلیتوں کو تحفظ نہ دیا گیا تو انقلاب اور سول وار کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ جناح کے پارسی دوست جمشید نصروانجی (Jamshed Nusserwanji) جو اس کانفرنس میں شریک تھے، انہوں نے مصنف ہیکٹر بولیتھو کو بتایا کہ کانفرنس میں شریک 18 ممبران میں سے 16 نے جناح کی تجاویز کو مسترد کر دیا۔ گاندھی اور جمشید نے جناح کی تائید میں ووٹ دیا۔ اس موقع پر شریک ایک نمائندے نے یہ سخت الفاظ بھی کہہ دیئے کہ جناح کو مسلمانوں کی ترجمانی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس کنونشن کی کارروائی کے دوران جناح سخت برگشتہ ہو کر اپنے وفد کے ساتھ اجلاس چھوڑ کر کلکتہ سے دہلی روانہ ہو گئے۔ جناح کے دوست جمشید نصروانجی جناح کو ریلوے سٹیشن پر رُخصت کرنے آئے اور اُن کو سخت دل گرفتہ پایا۔

''اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے جب انہوں نے کہا جمشید اب راستے جُدا ہو گئے ہیں۔''[29]

"He had tears in his eyes as he said Jamshed this is the parting of the ways."

20 فروری 1929ء کورتی جناح کا ساتھ چھوڑ گئیں۔ اُن کی وفات نے جناح کو بہت متاثر کیا۔

جناح نے 1930ء میں اپنی تقریر میں کہا کہ وہ ہندو مزاج، ہندو ذہنیت اور ہندو رویے سے اس قدر دلبرداشتہ ہوئے کہ ہندو مسلم اتحاد پر اُن کا یقین ہی ختم ہو گیا اور وہ بھارت سے لندن چلے گئے۔[30] قائداعظم نے کانگریس سے علیحدگی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے کہا:۔

''میرا ایسی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے جو جعلی مذہبی نوعیت پر مبنی ہو۔ میں ہیجان انگیز ہجوم میں یقین نہیں رکھتا۔ سیاست معزز لوگوں کا کھیل ہے۔''[31]

"I will have nothing to do with this pse udo-religious approach to politics.... I do not believe in waking up mob hysteria. Politics is a gentleman's game ."

1930ء میں جناح ہندوستانی سیاست سے مایوس ہو کر لندن روانہ ہو گئے اور ویسٹ ہیتھ روڈ ہیمپسٹڈ (West Heath Road Hampstead) میں گھر خرید لیا۔ انہوں نے لندن میں وکالت شروع کر دی اور اپنی بیٹی ڈینا اور بہن فاطمہ کے ساتھ نسبتاً پُرسکون زندگی بسر کرنے لگے۔ جناح کی اپنے سیاسی فلسفے، بھارت کی آزادی اور مسلمانوں کے حقوق کے ساتھ وابستگی لازوال تھی، لہٰذا وہ قومی اُمور کے ساتھ منسلک رہے۔ انہوں نے ہندوستانی لیڈروں کے ساتھ رابطے اُستوار رکھے اور لندن میں ہونے والی دو گول میز کانفرنسوں میں پُرجوش شرکت کی۔ جب کہ اُن کو تیسری گول میز کانفرنس میں اس لیے شرکت کی دعوت نہ دی گئی کیوں کہ وہ فیڈرل ازم کے کٹر حامی تھے اور گول میز کانفرنس میں زیر بحث فیڈرل سکیم کے مخالف تھے جس سے وفاق کمزور

قائداعظم کا تصورِ ریاست

سیاسی بنیادیں

قائداعظم کے تصور پاکستان کے بارے میں غیر جانبدار تجزیہ اس لیے پیش نہ کیا جاسکا کیوں کہ مؤرخین نے قائداعظم کو اپنے مزاج، فکری اور نظریاتی وابستگی کی بنیاد پر جانچا اور پرکھا لہٰذا قائداعظم کا اصل نظریہ اور تصور عوام کے سامنے نہ آسکا۔ پاکستان کے تعلیم یافتہ افراد قائداعظم کی سیاست اور شخصیت کے بارے میں دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروہ انہیں سیکولر قرار دیتا ہے جب کہ دوسرا گروہ انہیں مسلمانوں کے ایک ایسے رہنما کے طور پر دیکھتا ہے جو پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے خواہش مند تھے۔ دونوں کے پاس قائداعظم کی تقریروں کے حوالے سے دلائل موجود ہیں۔ قائداعظم کے تصور پاکستان کو درست طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ قائداعظم کی شخصیت و سیاست اور تحریک پاکستان کے سیاسی، معاشی اور مذہبی محرکات کے بارے میں اصل حقائق نئی نسل کے سامنے مکمل غیر جانب داری کے ساتھ رکھ دیئے جائیں تاکہ نوجوان قائداعظم کے تصور کے بارے میں خود فیصلہ کرسکیں اور اس کی روشنی میں پاکستان کی سمت کا تعین کرسکیں۔

قائداعظم ایک تاجر کے لختِ جگر تھے۔ انہوں نے متحدہ ہندوستان کے اُن سکولوں میں ابتدائی تعلیم حاصل کی جہاں پر انگریزی میں جدید تعلیم دی جاتی تھی۔ وہ سولہ سال کی عمر میں برطانیہ چلے گئے اور اپنے دور کی ماڈرن یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ قائداعظم، لندن کے کلچر اور لبرل سیاست سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے اپنا نام تبدیل کرکے محمد علی جناح بھائی کی بجائے ایم اے جناح رکھ لیا۔ وہ ہندوستان کے لبرل سیاست دان دادا بھائی نوروجی سے متاثر ہوئے اور کچھ عرصہ اُن کے سیکریٹری کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ قائداعظم نے اپنے لبرل خیالات کی وجہ سے ایک برطانوی ڈرامہ کمپنی میں بطور ایکٹر ملازمت اختیار کرلی مگر اپنے والد کے شدید احتجاج پر اس ملازمت کو چھوڑ دیا۔ برطانوی کلچر میں رہنے کے باوجود انہوں نے مسلم کلچر سے اپنی وابستگی برقرار رکھی اور کرسمس کی ایک تقریب کے دوران انہوں نے ایک انگریز خاتون کی فرمائش پر اُسے بوسہ

دینے سے انکار کر دیا۔ قائداعظم کی ذاتی زندگی لبرل تھی اور وہ سماجی و معاشرتی اعتبار سے بھارت کی اعلیٰ اور جدید سوسائٹی میں شامل تھے۔ اُن کے اکثر قریبی دوست ہندو، عیسائی اور پارسی تھے۔

قائداعظم نے لبرل ماڈرن پارسی دوشیزہ رتی ڈنشا سے شادی کی۔ رتی نے اسلام قبول کر لیا۔ قائداعظم نے شادی سے پہلے رتی کو خفیہ خط لکھا۔ رتی کے والد نے یہ خط دیکھ لیا اور قائداعظم کو اپنے گھر آنے سے روک دیا۔[1] قائداعظم نے مسلمانوں کی مخالفت کے باوجود اپنی ہمشیرہ فاطمہ جناح کو ممبئی کے مخلوط تعلیمی ادارے کانونیٹ سکول میں داخل کرایا۔[2] وہ تین پیس سوٹ پہنتے اور ٹائی لگاتے۔ ہر روز شیو کرتے۔ وہ سگار پیتے، اپنا سرمایہ بینک میں رکھتے اور اس پر سود لیتے، سٹاک مارکیٹ کے شیئرز میں سرمایہ کاری کرتے۔[3] البتہ جب انہوں نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی تو انہوں نے شیروانی، چوڑی دار پاجامے اور جناح کیپ کا استعمال شروع کر دیا جو ان کی سیاسی مجبوری تھی۔ ان کی ذاتی اور نجی زندگی پر مغربی کلچر کا رنگ غالب رہا۔ قائداعظم روشن خیال لبرل سیاست دان تھے۔ انہوں نے سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس سے کیا جو ہندوؤں کی جماعت تھی۔ وہ طویل عرصہ تک ہندو مسلم اتحاد کے سفیر کے طور پر سیاست کرتے رہے۔ انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اس شرط پر کی کہ وہ سیاسی طور پر انڈین نیشنلسٹ رہیں گے۔ قائداعظم مقبول لبرل ہندو لیڈر گوکھلے سے بہت متاثر تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے ''مسلم گوکھلے'' بننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ قائداعظم نے 27 اکتوبر 1937ء کو پٹنہ میں اپنے خطاب میں کہا:۔

''کاش میں مصطفیٰ کمال ہوتا''۔[4]

کمال اتاترک کے انتقال پر قائداعظم نے مسلم لیگ کے حامیوں کو یوم سوگ منانے کی کال دی۔

قائداعظم اپنی زندگی میں کبھی کسی مذہبی رہنما سے متاثر نہ ہوئے۔ البتہ وہ علامہ اقبال سے ضرور متاثر ہوئے اور ہندو مسلم اتحاد کی سیاست ختم کر کے دوقومی نظریے کی سیاست کا آغاز کیا۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کی علیحدہ ریاست کا جو خواب دیکھا، قائداعظم نے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کیا۔ علامہ اقبال ملائیت کے خلاف تھے اور جدید جمہوری، فلاحی ریاست میں یقین رکھتے تھے۔ جس کی بنیاد اسلامی سماجی انصاف کے اُصولوں رکھی گئی ہو۔

قائداعظم تحریک خلافت سے اس لیے الگ تھلگ رہے کیوں کہ وہ مذہب کو سیاست میں شامل کرنا ج تصور کرتے تھے۔[5] جب گاندھی نے قائداعظم کے نام خط لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قائداعظم مذ کی بنیاد پر دوقومی نظریے کی بات کرتے ہیں تو قائداعظم نے گاندھی کے استدلال کو مسترد کرتے ہوئے لیا کہ وہ مذہب سے زیادہ تہذیب و ثقافت اور رسم و رواج کی بنیاد پر مسلمانوں کو ایک قوم سمجھتے ہیں قائداعظم نے 7 فروری 1935ء کو سینٹرل لیجسلیٹو اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

''مذہب کو سیاست میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔ مذہب کا معاملہ خدا اور انسان کے درمیان ہے۔''

"Religion should not be allowed to come into politics.....Religion is merely a matter between man and God".

کانگریس کے صدر نہرو نے 30 جون 1937ء جھانسی میں ضمنی انتخاب کے ایک جلسے میں قائداعظم اور مسلم لیگ پر بے بنیاد الزام لگایا کہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ''اسلام خطرے میں ہے'' کا نعرہ لگایا جا رہا ہے اور سیاسی مقاصد کے لیے مذہبی اور فرقہ وارانہ جذبات اُبھارے جا رہے ہیں۔ نہرو نے ایک پمفلٹ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ قائداعظم اپنے اُمیدوار کی کامیابی کے لیے اللہ اور قرآن کے نام پر اپیل کر رہے ہیں۔ قائداعظم نے اس الزام کی دوٹوک الفاظ میں تردید کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ ایک سیاسی تنظیم ہے اور مذہبی بنیادوں پر انتخابی پروپیگنڈا نہیں کر سکتی۔[7] مسلم لیگ ایک سیاسی جماعت تھی جس کا قیام اس بنیادی مقصد کے تحت عمل میں آیا تھا۔

''ہندوستان کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور مفادات کا تحفظ اور فروغ دینا۔''[8]

مسلم لیگ کے لیڈروں میں راجے، نواب، جاگیردار، صنعت کار اور مڈل کلاس کے لبرل افراد شامل تھے۔ مسلم لیگ کی اُٹھان مسجدوں اور دینی مدرسوں میں نہیں بلکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہوئی۔ طلباء مسلم لیگ کا ہراول دستہ بنے۔ قائداعظم نے یکم فروری 1943ء کو اسماعیل کالج ممبئی کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

''مسلم لیگ مذہبی حقوق کے لیے نہیں لڑ رہی اور یہ ایک فرقہ وارانہ تنظیم نہیں ہے ان معنی میں جن میں ہندو اسے سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کے مذہبی حقوق تو ان کی رُوح اور جسم پر مرتسم ہیں اور انہیں کوئی نہیں چھین سکتا۔''[9]

قائداعظم شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے مگر انہوں نے کبھی فرقہ واریت کا مظاہرہ نہ کیا، وہ ہمیشہ کہتے، ''میں صرف مسلمان ہوں۔'' وہ سنیوں کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے۔ قائداعظم کی پہلی کابینہ کے سیکرٹری جنرل چوہدری محمد علی اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں:۔

''انہوں نے کبھی اپنے آپ کو مذہبی شخصیت کے طور پر پیش نہ کیا۔ وہ ہر لحاظ سے خودنمائی کے خلاف تھے اور فن کاری کے طور پر مذہبی جذبات کو استعمال کرنے کے مخالف تھے۔''[10]

"He never posed as a man of religion and was totally averse to any form of self-exhibitionism or to a histrionic exploitation of

قائداعظم نے سرتیج بہادر سپرو سے کہا کہ ''ہندو مسلم مسئلہ کا حل یہ ہے کہ وہ پنڈتوں سے نجات پالیں اور میں ملاؤں سے چھٹکارا حاصل کرلوں گا اور اس طرح فرقہ وارانہ امن قائم ہوجائے گا۔''[11]

قائداعظم نے 5 فروری 1938ء کو علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبا سے خطاب کے دوران مسلم لیگ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

''(مسلم لیگ) نے آپ کو مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر سے آزادی دلادی ہے۔ اس نے آپ کو مولویوں اور مولاناؤں کے ناپسندیدہ عناصر سے بھی نجات دلادی ہے۔''[12]

"...Set you free from the reactionary elements of Muslims .. has freed you from the undesirable elements of Moulvies and Maulanas."

راجہ صاحب آف محمود آباد، قائداعظم کے انتہائی قابل اعتماد ساتھی تھے۔ وہ قائد کو ''انکل'' کہہ کر پکارتے تھے۔ مسلم لیگ کے خزانچی اور ورکنگ کمیٹی کے رُکن تھے۔ انہوں نے ایک آرٹیکل میں تحریر کیا:

''1941-45ء کے دوران میں مذہب کے زیر اثر آ گیا۔ میں ایک اسلامک جماعت کا بانی رُکن تھا۔ ہم وکالت کرتے تھے کہ پاکستان کو اسلامی ریاست ہونا چاہیے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں اس سلسلے میں بہت پُر جوش تھا اور اپنی تقریروں میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ اسلامی ریاست کے لیے وکالت کی وجہ سے میرا جناح سے تنازع پیدا ہوگیا۔ انہوں نے میرے خیالات سے مکمل طور پر اختلاف کیا اور مجھے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ان خیالات کے اظہار سے منع کیا تاکہ عوام یہ یقین نہ کر بیٹھیں کہ قائداعظم میرے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں اور وہ مجھے ہدایت دے رہے ہیں کہ میں یہ خیالات عوام تک پہنچاؤں۔ جب میں پیچھے کی جانب دیکھتا ہوں تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ میں کس قدر غلط تھا۔''[13]

اکتوبر 1938ء میں قائداعظم کی صدارت میں سندھ میں مسلم کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس کے چیئرمین معروف صنعت کار عبداللہ ہارون تھے جو (1926-42ء) میں سینٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کے رُکن رہے۔ وہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے رُکن بھی تھے۔ اس اہم اجلاس میں لیاقت علی خان، سرسکندر حیات خان (پنجاب)، نضل حق (بنگال)، راجہ صاحب محمود آباد، چوہدری خلیق الزمان اور مولانا شوکت علی شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں مشاورت اور غور وخوض کے بعد یہ قرارداد منظور کی گئی۔ کسی بھی جماعت اور تحریک کا تجزیہ کرتے وقت قراردادوں کو تقریروں سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہیے۔

''یہ کانفرنس حتمی طور پر ضروری خیال کرتی ہے کہ برصغیر کے مستقل امن اور دونوں اقوام کی بلارکاوٹ ثقافتی ترقی، معاشی اور سماجی بہبود اور سیاسی خودارادیت کے لیے آل انڈیا مسلم

نمائندوں نے تقاریر کیں مگر کسی نے اپنی تقریر میں پاکستان کو اسلامی ریاست قرار نہ دیا۔ منتخب نمائندوں نے وفاداری کا جو حلف اُٹھایا اس میں مسلم نیشن کے الفاظ تو استعمال ہوئے مگر اسلام اور مذہب کا ذکر نہیں تھا۔ یہ حلف مکمل طور پر سیاسی نوعیت کا تھا۔[32] اس اجلاس میں جو قرارداد منظور کی گئی اس میں ہندو مذہب اور اسلام کے تضادات کا ذکر کرنے کے بعد اس خطرے کا اظہار کیا گیا کہ ہندو اکثریت کی وجہ سے مسلمان، عیسائی اور دوسری اقلیتیں سماجی اور معاشی طور پر تباہ ہو جائیں گی۔

اس تاریخی اجلاس کے اختتام پر قائداعظم نے پاکستان کے بارے میں اپنا تصور ان الفاظ میں بیان کیا:

> ''ہم کس چیز کے لیے لڑ رہے ہیں؟ ہمارا مطمع نظر کیا ہے؟ یہ مذہبی حکومت نہیں ہے نہ ہی مذہبی مملکت کا قیام ہمارا مقصود ہے۔ مذہب موجود ہے اور مذہب ہمیں بہت عزیز ہے۔ جب ہم مذہب کی بات کرتے ہیں تو تمام دنیاوی مفادات ہیچ نظر آتے ہیں لیکن اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو بہت زیادہ اہم ہیں۔ ہماری معاشرتی زندگی، ہماری معاشی زندگی اور سیاسی اقتدار کے بغیر آپ کس طرح اپنے دین اور معاشی زندگی کا دفاع کر سکتے ہیں۔''[33]
>
> "What are we fighting for? What are we aiming at? It is not theocracy not for a theocratic state. Religion is there, and religion is dear to us. All the worldly goods are nothing to us when we talk of religion; but there are other things which are very vital for our social life, our economic life; but without political power how can you defend your faith and your economic life?"

اس اہم اجلاس کے موقع پر مسلم لیگ کے ایک گروپ نے اسلامی ریاست کے قیام کا اعلان کرانے کی کوشش کی مگر قائداعظم نے مزاحمت کی۔[34] قائداعظم اور مسلم لیگ نے ایک قرارداد منظور کر کے کیبنٹ مشن پلان کو اس بنیاد پر قبول کر لیا کہ اس میں قیام پاکستان کی بنیاد موجود تھی۔ مسلمانوں کو مکمل سیاسی و جمہوری حقوق حاصل ہو رہے تھے اور قائداعظم کو یقین تھا کہ کیبنٹ مشن پلان پر عمل درآمد کا یقینی نتیجہ مکمل خودمختار پاکستان کی صورت میں نکلے گا۔[35] اگر قائداعظم کے ذہن میں اسلامی ریاست کا تصور موجزن ہوتا تو وہ کبھی کیبنٹ مشن پلان کو قبول نہ کرتے۔

قائداعظم نے 9 مارچ 1944ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونین کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

> ''سوشلزم، کمیونزم، نیشنل سوشلزم اور دیگر ازم کی باتیں خارج از بحث ہیں۔ کیا آپ

میں اسلام کو مکمل تباہی سے بچانا چاہتے ہیں۔ ابھی ہماری منزل بہت دور ہے پاکستان تو موجود ہے لیکن ہمیں اسے لینا ہے۔"[79]

قائداعظم نے 4 اپریل 1943ء کو صوبہ سرحد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام اپنے پیغام میں تحریر کیا۔

"آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو ایک پیغام دوں۔ میں آپ کو کیا پیغام دے سکتا ہوں۔ ہماری رہنمائی اور بصیرت کے لیے عظیم ترین پیغام تو قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم خود کو پہچانیں اور ان عظیم صفات، خوبیوں اور قوتوں کو بھی جن کے ہم حامل ہیں۔"[80]

قائداعظم نے 18 جون 1945ء کو صوبہ سرحد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام اپنے پیغام میں کہا:۔

"پاکستان کا مطلب نہ صرف آزادی اور خودمختاری ہے بلکہ مسلم نظریہ بھی ہے جسے ہمیں محفوظ رکھنا ہے۔ جو ایک بیش قیمت تحفے اور سرمائے کے طور پر ہم تک پہنچا ہے۔"[81]

قائداعظم نے 25 فروری 1946ء کو کلکتہ میں خواتین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"آج ہر مسلمان گھرانے میں مردوں، عورتوں اور بچوں کا تصور مسلم لیگ کے آئیڈیل سے روشن ہے۔ ہر مسلمان بچے کو یہ علم ہے کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے۔ اس کے بغیر ہند میں مسلمان اور اسلام فنا ہو جائے گا یہ ہندی مسئلے کا حل ہے اور ان کے لیے یہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

قائداعظم نے 4 مارچ 1946ء کو شیلانگ میں خواتین کے جلسے سے خطاب کیا اور اسلام کے بارے میں کہا:۔

"آیئے ہم واپس چلیں اور اپنی کتاب مقدس قرآن کریم اور حدیث اور اسلام کی عظیم روایات سے رُجوع کریں جن میں ہماری رہنمائی کے لیے ہر چیز موجود ہے، ہم ان کی درست طور پر تاویل و تعبیر کریں اور اپنی عظیم کتاب مقدس قرآن کریم کا اتباع کریں۔"

قائداعظم نے 14 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کے جواب میں کہا:۔

"عظیم شہنشاہ اکبر نے تمام غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس کی ابتداء آج سے تیرہ سو برس پہلے بھی ہمارے پیغمبر ﷺ نے کر دی تھی۔ آپ نے زبان سے ہی نہیں بلکہ عمل سے بھی یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل

کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا۔ اُن کے ساتھ رواداری برتی اور اُن کے عقائد کا احترام کیا۔''[82]

قائداعظم کے اے ڈی سی میاں عطا ربانی کے مطابق قائداعظم نے قیام پاکستان کے بعد 18 اگست 1947ء کو پہلی عید عقیدت اور جوش و جذبے کے ساتھ منائی۔ وہ صبح سویرے اُٹھ گئے اور عیدگاہ جانے کے لیے بڑے اہتمام کے ساتھ تیاری کی۔ انہوں نے بندر روڈ کراچی کی عیدگاہ پر نماز ادا کی۔ وہ دو گھنٹے گورنر جنرل ہاؤس میں لوگوں سے عید ملتے رہے۔[83]

روزنامہ ''ڈان'' 28 مارچ 1947ء کی رپورٹ کے مطابق قائداعظم نے 27 مارچ 1947ء کو میمن چیمبر آف کامرس ممبئی کے استقبالیے میں خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

''یاد رکھیں کہ جن حکومتوں کی بنیاد عوامی اعتماد پر اُستوار نہیں ہوتی وہ خوشحالی سے ہم کنار نہیں ہوتیں۔ جمہوریت مسلمانوں کے خون میں رواں دواں ہے اور ہم مساوات، اُخوت اور حریت کے قائل رہے ہیں اور اس کا کوئی امکان نہیں کہ کوئی شخص اپنی من مانی کر سکے۔ آپ یقین کیجئے کہ آپ ہمارے نظام حکومت کے تحت زیادہ محفوظ ہوں گے بمقابلہ اس کے کہ آپ ایسی حکومت کے ماتحت ہوں جس میں ایک شخص کی حکومت ہو۔ اگر یہ عمدہ ہے تو یہ اسلام ہے۔ اگر یہ بری ہے تو یہ اسلام نہیں ہے اسلام عدل ہے۔''

قائداعظم نے 30 اکتوبر 1947ء کو یونیورسٹی سٹیڈیم لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

''اب میں آپ سے صرف اتنا چاہوں گا کہ ہر شخص تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ یہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے دنیا کی ان عظیم ترین قوموں کی صف میں شامل کرنے کے لیے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہوگا جن کا نصب العین اندرون ملک بھی امن اور بیرون ملک بھی امن ہوتا ہے۔''[84]

قائداعظم نے 25 جنوری 1948ء کو عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے آئین اور مذہب کے بارے میں اپنے تصور اور نظریے کو ان الفاظ میں بیان کیا:۔

''یہ بے چینی کا احساس کیوں ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر اُستوار نہیں کی جائے گی۔ قائداعظم نے فرمایا: آج بھی اسلامی اُصولوں کا زندگی پر اُسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو برس پیشتر ہوتا تھا۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یا کچھ لوگ جو اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو گئے ہیں، میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف

the foundation of our democracy on the basis of truly Islamic ideals and principles. Our Almighty has taught us that our decisions in the affairs of the state shall be guided by discussions and consultations. I wish you, my brethren of Baluchistan, Godspeed and al l success in the opening of this new era. May your future be as bright as I have always prayed for and wished it to be. May you all prosper."

قائداعظم نے 19 فروری 1948ء کو آسٹریلیا کے عوام سے اپنے نشری خطاب میں کہا:۔

''ہماری عظیم اکثریت مسلمان ہے۔ہم رسول خدا محمد ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ ہم اسلامی ملت و برادری کے رُکن ہیں جس میں حق، وقار اور خودداری کے تعلق سے سب برابر ہیں۔ بطور نتیجہ ہم میں اتحاد کا ایک خصوصی اور گہرا شعور موجود ہے۔لیکن غلط نہ سمجھئے، پاکستان میں کوئی نظام پاپائیت رائج نہیں۔ اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسلام ہم سے دیگر عقائد کو گوارا کرنے کا تقاضا کرتا ہے اور ہم اپنے ساتھ اُن لوگوں کے گہرے اشتراک کا پُرتپاک خیر مقدم کرتے ہیں جو خود پاکستان کے سچے اور وفادار شہریوں کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے آمادہ اور رضا مند ہوں۔ نہ صرف یہ کہ ہم میں سے بیشتر لوگ مسلمان ہیں بلکہ ہماری اپنی تاریخ ہے، رُسوم وروایات ہیں اور وہ تصورات فکر ہیں۔ وہ نظریہ اور جبلت ہے جس سے قومیت کا شعور اُبھرتا ہے۔''

قائداعظم نے فروری 1948ء میں امریکہ کے عوام سے اپنے نشری خطاب میں کہا:۔

''بہر نوع پاکستان ایک ایسی مذہبی ریاست نہیں ہوگی جس پر آسمانی مقصد کے ساتھ پاپاؤں کی حکومت ہو۔ غیر مسلم ہندو، عیسائی اور پارسی ہیں لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ انہیں وہ تمام حقوق اور مراعات حاصل ہوں گے جو کسی اور شہری کو حاصل ہو سکتے ہیں اور وہ اُمور پاکستان میں اپنا جائز کردار ادا کر سکیں گے۔''

(قائداعظم تقاریر و بیانات، بزم اقبال، لاہور، جلد چہارم، صفحہ 421)

قائداعظم نے 26 مارچ 1948ء کو چٹاگانگ کے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

''آپ میرے جذبات اور لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں جب

کے دوران قائداعظم نے تحریک پاکستان کے ضمن میں اسلام کی قوالی کی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو 'وجد' و 'حال' آگیا۔ 100

پاکستان کے سابق صدر اسکندر مرزا کہتے ہیں:

''دہلی سے رخصت ہونے سے پہلے ایک دن میں نے قائداعظم سے پوچھا، جناب ہم سب نے پاکستان جانے کے لیے اتفاق کرلیا ہے۔ لیکن آپ کس قسم کی ریاست (نظامِ حکومت) قائم کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں۔ 'احمقانہ' انہوں نے جواب دیا، 'میں ایک ماڈرن (جدید) ریاست قائم کروں گا۔''' 101

"Before we all left Dehli, I said to Quaid-i-Azam one day, sir we are all agreed to go to Pakistan; but what kind of polity are you going to have? Are you going to have an Islamic state? 'Nonsense' he replied. 'I am going to have a modern state." '

قائداعظم ایک ماہر وکیل کی حیثیت سے انگریزوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئے کہ ایک ریاست میں اکثریت کے غلبہ میں طاقت ور مسلمان اقلیت پُر امن بقائے باہمی کے اُصول پر زندہ نہیں رہ سکے گی۔ اکثریت اور اقلیت کے درمیان ٹکراؤ کی وجہ سے ریاست کا سماجی ڈھانچہ ہی درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ 102

قائداعظم نے اپنی زندگی میں کبھی کسی مذہبی تقریب یا مذہبی جلسے میں شرکت نہ کی۔

پاکستان بحریہ کے چیف ایڈمرل جیفرڈ گورنر ہاؤس کراچی میں قائداعظم سے ملاقات کے لیے آئے۔ قائداعظم نے اُن کا استقبال دروازے پر کیا اور اُن سے پوچھا:

''کیا وہ سوڈا اور وسکی پسند کریں گے۔'' 103

"What about soda and whisky?"

1939ء میں جب کانگریس وزارتوں سے مستعفی ہوگئی تو مسلم لیگ نے قائداعظم کی ہدایت پر 22 دسمبر 1939ء کو سارے ہندوستان میں یوم تشکر منایا۔ مسلم لیگ کی صوبائی تنظیموں نے ایک قرارداد منظور کر کے کانگریس کے رویے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس کی حکومتوں نے مسلم کلچر کو تباہ کیا۔ ان کی مذہبی اور سماجی زندگی میں مداخلت کی اور مسلمانوں کے معاشی وسیاسی حقوق غصب کر لیے۔ 104

قیام پاکستان کے بعد مولانا ظفر عثمانی نے قائداعظم سے ملاقات کر کے شکوہ کیا کہ پاکستان میں اسلام نافذ نہیں کیا گیا۔ مولانا عثمانی کی یہ خواہش بھی تھی کہ قائداعظم مذہبی کمیٹی تشکیل دیں جو اسلامی ریاست کی قانون سازی کے لیے سفارشات مرتب کرے۔ قائداعظم نے کہا کہ مہاجرین کا مسئلہ حل ہو جائے تو بہت جلد

نظر میں وہ اسلامی ریاست کے قیام کے حامی تھے۔

قائد اعظم نے اپنے خطبات میں ہمیشہ پاکستان کے لیے اسلامی کی بجائے مسلم ریاست کے الفاظ کا استعمال کیے۔ البتہ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے فروری 1948ء میں امریکی عوام سے خطاب کرتے ہوئے صرف ایک بار پاکستان کو پریمئر اسلامک سٹیٹ (Premier Islamic State) قرار دیا۔ اگر قائد اعظم اسلامی ریاست قائم کرنے کے علم بردار ہوتے تو وہ کھل کر اپنے اس مؤقف کا عملی اظہار کرتے اور متحدہ ہندوستان کی بڑی مذہبی جماعتیں جمیعت العلمائے ہند، جماعت اسلامی، مجلس احرار اور خاکسار تحریک اُن کی مخالفت نہ کرتیں۔ قائد اعظم مسلمانوں کے عظیم رہنما تھے۔ انہوں نے اپنے خطبات میں اسلام، قرآن اور حضور اکرم ﷺ کی عظمت کا اقرار کیا۔ اُن کو اس معاملے میں کوئی شک نہیں تھا کہ پاکستان میں چوں کہ مسلمان اکثریت میں ہوں گے لہٰذا ریاست کی قانون سازی قرآن اور سنت کے مطابق ہی ہو گی۔ اُن کے ذہن میں اسلام کا جو تصور تھا وہ مذہبی رہنماؤں سے مختلف تھا۔ انہوں نے اپنے خطبات میں عبادات پر نہیں بلکہ معاملات پر زور دیا۔ قیام پاکستان سے پہلے اور بعد میں جب بھی اسلام کی بات کی تو انہوں نے لازمی طور پر اسلام کے آفاقی اُصولوں مساوات، اُخوت، حریت، عدل وانصاف، حق وقار، خودداری، یگانگت، برداشت، یقین، تنظیم اور ایثار پر زور دیا۔ قائد اعظم پاکستان کو معاشرتی، ثقافتی، سیاسی اور اقتصادی حوالے سے اسلام کا قلعہ بنانا چاہتے تھے۔ اُن کا ہرگز مقصد یہ نہیں تھا کہ پاکستان جہادیوں، انتہا پسندوں اور بنیاد پرستوں کا مرکز بن جائے۔ وہ ایسی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے جو ماڈرن جمہوری وفلاحی ہو اور جس کی بنیاد اسلام کے آفاقی اُصولوں پر رکھی جائے اور جس میں تمام شہریوں کو بلا تفریق مذہب وعقیدہ مساوی حقوق حاصل ہوں۔ قائد اعظم نے اگرچہ کبھی سیکولر کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ البتہ اُن کی زبردست خواہش تھی کہ مذہب کو سیاست اور ریاست سے الگ رکھا جائے۔ ریاست شہریوں پر اسلام نافذ نہ کرے اور اُن کے مذہب اور عقیدے میں مداخلت نہ کرے۔ سیکولر ریاست کا مثبت مفہوم یہ ہے کہ ایسی ریاست جو ہر شہری کو بلا امتیاز مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم کرے اور تمام شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے جس میں شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی، ہندو، عیسائی، پارسی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو اپنے عقیدے پر ایمان اور پرسنل لاز کے مطابق زندگی گزارنے کی آزادی ہو۔ اسلامی فقہ میں مذہب سے مراد ذاتی عقیدہ ہے جب کہ دین سے مراد وہ فاقی اسلامی اُصول ہیں جن کا اطلاق پوری انسانیت پر ہوتا ہے۔ سیکولر ریاست کے اس مفہوم کے مطابق قائد اعظم کے خطابات اور اُن کے عملی اقدامات ایک مثالی سیکولر ریاست کے خدوخال پیش کرتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد دستور ساز اسمبلی نے ایک قرارداد منظور کر کے محمد علی جناح کو ''قائد اعظم'' کے نام سے مخاطب

پہلی دستور ساز اسمبلی

کیبنٹ مشن پلان کے مطابق متحدہ ہندوستان کے لیے ایک مرکزی دستور ساز اسمبلی کی گنجائش رکھی گئی جس کے لیے انتخابات 1946ء میں منعقد کروائے گئے۔ متحدہ ہندوستان کی اسمبلی کا پہلا اجلاس 9 دسمبر 1946ء کو ہوا۔ مسلم لیگ نے اس اجلاس کا بائیکاٹ کیا کیوں کہ اس نے کیبنٹ مشن پلان کو مسترد کر دیا تھا۔

3 جون 1947ء کے پلان کے مطابق پاکستان کے لیے علیحدہ دستور ساز اسمبلی کا اعلان کیا گیا جس میں اسمبلی کے انتخاب اور تشکیل کا طریقہ کار بھی وضع کیا گیا۔[1] 1946ء کے انتخابات میں صوبہ سندھ اور سرحد کی اسمبلیوں، کوئٹہ میونسپلٹی اور بلوچستان کے جرگہ نے مرکزی دستور ساز اسمبلی کے لیے جن ارکان کا انتخاب کیا تھا اُن کی رکنیت برقرار رکھی گئی جب کہ مشرقی بنگال اور مغربی پنجاب کی اسمبلیوں نے مرکزی دستور ساز اسمبلی کے لیے اراکین کا انتخاب دوبارہ کیا۔ آزادی ہند کے ایکٹ 1947ء کے مطابق وفاقی اسمبلی کو دستور اور قوانین بنانے کا اختیار دیا گیا۔ لہٰذا پاکستان کی پہلی وفاقی اسمبلی دستوریہ (Constitutionalis) اور مقننہ لیجسلیٹو (Legislative) بھی تھی۔ جب اسمبلی کا اجلاس دستور بنانے کے لیے طلب کیا جاتا تو اسے دستور ساز اسمبلی کہا جاتا اور جب دیگر قوانین بنانے کے لیے اسمبلی کا سیشن ہوتا تو اسے فیڈرل لیجسلیٹو قرار دیا جاتا۔ 1947ء کے ایکٹ کے مطابق پہلی وفاقی اسمبلی پر کچھ قدغنیں بھی لگائی گئیں۔[2]

پہلی دستور ساز اسمبلی کسی کو جواب دہ نہ تھی اور مکمل طور پر آزاد تھی۔ اسے انڈی پینڈنس ایکٹ اور عبوری آئین میں سادہ اکثریت سے ترمیم کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ اس کی منظوری کے بغیر کوئی قانون نہیں بن سکتا تھا۔[3] 1935ء کے ایکٹ میں ایوان بالا (کونسل آف سٹیٹ) اور ایوان زیریں (فیڈرل اسمبلی) کی گنجائش رکھی گئی تھی مگر پاکستان کے زمینی حقائق کے پیش نظر عبوری آئینی حکم میں صرف ایک ایوان (مقننہ) کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا۔

دستور ساز اسمبلی کے اراکین کی کل تعداد 69 تھی جن میں مشرقی پاکستان کے 31 مسلمان تھے اور

13 جنرل نشستیں تھیں۔ مغربی پنجاب سے 12 مسلمان اور 3 جنرل نشستیں تھیں جب کہ 2 سکھ تھے۔ سندھ سے 3 مسلمان اور 1 جنرل نشست تھی۔ صوبہ سرحد سے 3 مسلمان رُکن تھے۔ بلوچستان سے 1 مسلمان رُکن تھا۔ مہاجرین اور قبائلی علاقوں کی کوئی نمائندگی نہ تھی۔ دس لاکھ افراد کو ایک رُکن کی نمائندگی دی گئی تھی۔[4]

ماؤنٹ بیٹن نے 27 جولائی 1947ء کو قائداعظم کے مشورے سے پہلی دستور ساز اسمبلی کے اراکین کا اعلان کیا۔ عبدالغفار خان اور ابوالکلام آزاد کے نام لسٹ میں شامل تھے۔ قائداعظم نے دونوں پر اعتراض نہ کیا۔ ابوالکلام نے اپنی نشست سے استعفیٰ دے دیا۔ پہلی دستور ساز اسمبلی میں مشرقی بنگال کے اراکین کی تعداد آبادی کے تناسب سے کم تھی۔ محبّ الوطنی اور قوم پرستی کے جذبے کے تحت کسی نے غیر معمولی تناسب پر اعتراض نہ کیا جب کہ ایسے افراد کو مشرقی بنگال سے منتخب کیا گیا جن کا تعلق دوسرے صوبوں سے تھا۔ لیاقت علی خان، مولانا شبیر احمد عثمانی، ملک غلام محمد، عبدالقیوم خان، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی اور ڈاکٹر محمود حسین مشرقی پاکستان سے منتخب ہو گئے۔ اِسی طرح پنجاب سے قائداعظم اور عبدالرب نشتر منتخب ہوئے جو غیر پنجابی تھے۔

پہلی دستور ساز اسمبلی میں مسلم لیگ کے 49 اراکین تھے۔ میاں افتخار الدین، فضل حق اور غفار خان مسلم نشستوں سے منتخب ہوئے مگر وہ اپوزیشن بنچوں پر بیٹھے۔[5] انڈین نیشنل کانگریس کے اراکین قیام پاکستان کے بعد پاکستان نیشنل کانگریس کے نام سے اپوزیشن بنچوں پر بیٹھے۔ انہوں نے قیام پاکستان کی شدید مخالفت کی تھی۔ ان اراکین نے دستور ساز اسمبلی کے اجلاسوں میں مسلم لیگی ارکان کی بلا جواز مخالفت کی اور ایوان کی کارروائی میں رکاوٹیں پیدا کرتے رہے۔ اپوزیشن کے کئی اراکین کچھ عرصہ بعد بھارت منتقل ہو گئے۔ 69 اراکین میں سے 50 اراکین نے دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس میں شرکت کی۔

پہلی وفاقی دستور ساز اسمبلی کے اراکین بیک وقت صوبائی اسمبلیوں کے رُکن اور حکومتی عہدے دار بھی بن سکتے تھے۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس 10 اگست 1947ء کو سندھ اسمبلی بلڈنگ میں ہوا۔ شیڈولڈ کاسٹ ممبر جوگندر ناتھ منڈل کو اتفاق رائے سے اسمبلی کا عبوری چیئرمین منتخب کیا گیا۔ لیاقت نے منڈل کا نام تجویز کیا۔ عبدالرب نشتر نے تائید کی۔[6] پہلے اجلاس میں صرف اراکین کی رجسٹریشن کی گئی۔ 11 اگست 1947ء کے اجلاس میں اتفاق رائے سے قائداعظم کو دستور ساز اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا۔ 12 اگست 1947ء کے اجلاس میں قائداعظم نے چار چیئرمین (تمیز الدین خان، عمر حیات ملک، سردار بہادر خان، کرن شنکر رائے) نامزد کیے جو اُن کی عدم موجودگی میں اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کر سکتے تھے۔

حواشی

فرقوں کو ایک پاکستانی قوم کی صورت میں متحد کرنے کی کوشش کی۔"[4]

پاکستان کے معروف مؤرخ کے کے عزیز (K. K. Aziz) کے خیال میں قائداعظم کی 11 اگست کی تقریر اُن کے دوسرے بیانات کے تسلسل میں پڑھی جائے تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ اُن کا خطاب سیکولر نہیں بلکہ اسلامی تھا اور وہ نئی ریاست کی بنیاد اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق رکھنا چاہتے تھے۔ صرف تین روز کے بعد قائداعظم نے 14 اگست کو دستور ساز اسمبلی میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"عظیم شہنشاہ اکبر نے تمام غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس کی ابتدا آج سے تیرہ سو سال پہلے ہمارے پیغمبر ﷺ نے کر دی تھی۔ آپ نے زبان سے ہی نہیں بلکہ عمل سے یہود و نصاریٰ پر فتح حاصل کرنے کے بعد نہایت اچھا سلوک کیا تھا۔ اُن کے ساتھ رواداری برتی اور اُن کے عقائد کا احترام کیا۔"

حکومت پاکستان کے پہلے سیکریٹری جنرل چوہدری محمد علی اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ قائداعظم کے پہلے خطاب کے بعد دو قومی نظریے کے حوالے سے سوالات اُٹھائے گئے کہ کیا قیام پاکستان کے بعد یہ نظریہ ختم ہو گیا۔ مؤرخین بھول جاتے ہیں کہ پاکستان فتح نہیں کیا گیا تھا بلکہ ایک سمجھوتے کے ذریعے حاصل کیا گیا تھا۔ اس سمجھوتے کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ نئی ریاستوں میں اقلیتوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا جائے۔ گا اُن کو مساوی حقوق دیئے جائیں گے اور وہ قانون کی نظر میں برابر کے شہری ہوں گے۔ قائداعظم کے خطاب کو اسی تناظر میں دیکھ جانا چاہیے۔[5]

قائداعظم کے پہلے خطاب کا عوام کی اخلاقیات پر بے پناہ اثر ہوا۔ رشوت ستانی بہت کم ہو گئی اور عو نے ٹرین پر ٹکٹ کے بغیر سفر کرنا بند کر دیا۔[6] قائداعظم نے اقلیتوں کے حقوق اور مذہب کو ریاستی اُمور الگ رکھنے کے بارے میں جو کچھ کہا، وہ ان کے پرانے مؤقف کے عین مطابق تھا۔ قائداعظم کی اس تقر تعلیمی نصاب کا لازمی حصہ ہونا چاہیے تھا مگر افسوس ہم نے اسے متنازع بنا دیا۔

پاکستان کے سابق چیف جسٹس نسیم حسن شاہ کے مطابق قائداعظم نے اپنے پہلے خطاب میں اسلا سنہری اصولوں کو بیان کیا۔ اسلام ریاست کے تمام شہریوں کو بلا امتیاز مساوی حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔

ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:۔

"سیکولرازم اسلام کا لازمی جزو ہے، لہٰذا اس بنا پر اسلامی ریاست ایک مثالی سیکولر ریاست کی خصوصیات کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔"[8]

...f Islam and it is for this reason

حقوق دینے پر زور دیتے تھے۔[11]

پروفیسر شریف المجاہد کے مطابق قائد نے اپنے 11 اگست کے خطاب میں ''سیاسی
اور مسلمان مسلمان نہیں رہے گا'' کا ذکر میثاق مدینہ کی روشنی میں کیا جس کے مطابق یہودیوں اور مسلمانوں کے مساوی حقوق اور مراعات دیئے گئے تھے اور ''میثاق مدینہ'' کی روشنی میں مسلمان سیاسی طور پر مسلمان اور یہودی نہیں رہے تھے۔ 11 اگست کے خطاب کو اسلامی بھی کہا جاسکتا قرار دیا جاسکتا ہے۔[12]

نامور محقق منیر احمد منیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''ہمارا میگنا کارٹا یعنی بانی پاکستان 11 اگست شروع دن سے ہی بے توجہی کا شکار رہی۔'' اس تقریر کو آئین کا حصہ بنایا جانا چاہیے۔[13]

حواشی

1. *Constituent Assembly of Pakistan Debates (1947)*, vol. 1, No. 2, p. 19-20
2. Zamir Niazi: *The Press in Chains*, p. 34-36
3. Zamir Niazi: *The Press in Chains*, pp. 34-36

   Sharif-ul-Mujahid: *Quaid-i-Azam Jinnah: Studies in interpretation*, p. 268
4. M. R. Kazmi: *M. A. Jinnah Views and Reviews*, p. 175
5. Ch. Muhammad. Ali: *The Emergence of Pakistan*, p. 240
6. *ibid*, p. 241
7. Nasim Hassan Shah: *Quaid-i-Azam whether secularist or fundamentalist*, p. 250
8. Javed Iqbal: *The Legacy of Quaid-i-Azam*, p. 222
9. قائداعظم: تقاریر و بیانات، بزم اقبال، لاہور، صفحہ 350

حقوق دینے پر زور دیتے تھے۔[11]

پروفیسر شریف المجاہد کے مطابق قائد نے اپنے 11 اگست کے خطاب میں ''سیاسی اعتبار سے ہندو ہندو اور مسلمان مسلمان نہیں رہے گا'' کا ذکر میثاق مدینہ کی روشنی میں کیا جس کے مطابق یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے مساوی حقوق اور مراعات دیئے گئے تھے اور ''میثاق مدینہ'' کی روشنی میں مسلمان اور یہودی سیاسی طور پر مسلمان اور یہودی نہیں رہے تھے۔ 11 اگست کے خطاب کو اسلامی بھی کہا جا سکتا ہے اور سیکولر بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔[12]

نامور محقق منیر احمد منیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: ''ہمارا میگنا کارٹا یعنی بانی پاکستان 11 اگست کی تقریر شروع دن سے ہی بے توجہی کا شکار رہی۔'' اس تقریر کو آئین کا حصہ بنایا جانا چاہیے۔[13]

حواشی

1. *Constituent Assembly of Pakistan Debates (1947)*, vol. 1, No. 2, p. 19-20
2. Zamir Niazi: *The Press in Chains*, p. 34-36
3. Zamir Niazi: *The Press in Chains*, pp. 34-36

   Sharif-ul-Mujahid: *Quaid-i-Azam Jinnah: Studies in interpretation*, p. 268
4. M. R. Kazmi: *M. A. Jinnah Views and Reviews*, p. 175
5. Ch. Muhammad. Ali: *The Emergence of Pakistan*, p. 240
6. *ibid*, p. 241
7. Nasim Hassan Shah: *Quaid-i-Azam whether secularist or fundamentalist*,

   p. 250
8. Javed Iqbal: *The Legacy of Quaid-i-Azam*, p. 222
9. قائداعظم: تقاریر و بیانات، بزم اقبال، لاہور، صفحہ 350
10. Ch. Khaliquzzaman: *Pathway to Pakistan*, p. 321
11. Waheed-uz-Zaman: *Quaid-i-Azam: Myth and Reality*, pp. 37-40
12. S.Mujahid: Jinnah's August Address an Interpretation , Dawn Dec.24, 2010
13. منیر احمد منیر: قائداعظم اعتراضات اور حقائق، صفحہ 75

پہلی وفاقی کابینہ

قائداعظم نے 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی سے تاریخی خطاب کیا جس میں پاکستانی ریاست کا خاکہ پیش کیا۔ اس خطاب کے بعد ان کا پہلا بڑا عملی اقدام پاکستان کی پہلی وفاقی کابینہ کی تشکیل تھا۔ یہ کابینہ قائد کی سوچ، نظریے اور فکر کی مظہر تھی۔ انگریزی کا محاورہ ہے:

''آدمی کی شناخت اُس کے قریبی رُفقاء سے ہوتی ہے۔''

"A man is known by the company he keeps."

نواب زادہ لیاقت علی خان (وزیراعظم، دفاع، خارجہ تعلقات، دولت مشترکہ)

پہلی کابینہ نے 15 اگست 1947 کو حلف اُٹھایا۔ پاکستان کا پہلا وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان کو نامزد کیا گیا جو تحریک پاکستان کے مرکزی رہنما اور مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل تھے۔ وہ یوپی کے زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کا تعلق وکالت کے پیشے سے تھا۔ وہ 1946ء میں متحدہ ہندوستان کی عبوری حکومت کے وفاقی وزیر خزانہ تھے۔ وزارت عظمیٰ کے علاوہ اُن کو دفاع، خارجہ تعلقات اور دولت مشترکہ کے اُمور دیئے گئے۔

آئی آئی چندریگر (تجارت، صنعت اور ورکس)

چندریگر احمد آباد کے وکیل تھے۔ 1946ء کو عبوری حکومت میں وزیر تجارت رہے۔ ممبئی لیجسلیٹو اسمبلی کے (1937-46ء) رکن بھی رہے۔ 1957ء میں چند ماہ کے لیے پاکستان کے وزیراعظم بھی رہے۔

غلام محمد (خزانہ)

لاہور کے رہائشی تھے۔ وہ ہندوستان کی وزارتِ خزانہ کے نامور اکاؤنٹ افسر تھے اور حیدرآباد ریاست کے وزیر خزانہ بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے ہندوستان کے معروف صنعتی گروپ ٹاٹا کے ساتھ

پہلی وفاقی کابینہ

قائداعظم نے 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی سے تاریخی خطاب کیا جس میں پاکستانی ریاست کا خاکہ پیش کیا۔ اس خطاب کے بعد ان کا پہلا بڑا عملی اقدام پاکستان کی پہلی وفاقی کابینہ کی تشکیل تھا۔ یہ کابینہ قائد کی سوچ، نظریے اور فکر کی مظہر تھی۔ انگریزی کا محاورہ ہے:

''آدمی کی شناخت اُس کے قریبی رُفقاء سے ہوتی ہے۔''

"A man is known by the company he keeps."

نواب زادہ لیاقت علی خان (وزیراعظم، دفاع، خارجہ تعلقات، دولت مشترکہ)

پہلی کابینہ نے 15 اگست 1947 کو حلف اُٹھایا۔ پاکستان کا پہلا وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان کو نامزد کیا گیا جو تحریک پاکستان کے مرکزی رہنما اور مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل تھے۔ وہ یوپی کے زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کا تعلق وکالت کے پیشے سے تھا۔ وہ 1946ء میں متحدہ ہندوستان کی عبوری حکومت کے وفاقی وزیر خزانہ تھے۔ وزارت عظمٰی کے علاوہ اُن کو دفاع، خارجہ تعلقات اور دولت مشترکہ کے اُمور دیئے گئے۔

آئی آئی چندریگر (تجارت، صنعت اور ورکس)

چندریگر احمد آباد کے وکیل تھے۔ 1946ء کو عبوری حکومت میں وزیر تجارت رہے۔ ممبئی لیجسلیٹو اسمبلی کے (1937-46ء) رکن بھی رہے۔ 1957ء میں چند ماہ کے لیے پاکستان کے وزیراعظم بھی رہے۔

غلام محمد (خزانہ)

لاہور کے رہائشی تھے۔ وہ ہندوستان کی وزارتِ خزانہ کے نامور اکاؤنٹ افسر تھے اور حیدرآباد ریاست کے وزیر خزانہ بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے ہندوستان کے معروف صنعتی گروپ ٹاٹا کے ساتھ

بطور ڈائریکٹر کام کیا۔ پاکستان کے (55-1951ء) گورنر جنرل بھی رہے۔

سردار عبدالرب نشتر (مواصلات)

وہ پشاور کے وکیل تھے۔ 1946ء کی عبوری حکومت میں مواصلات اور ڈاک خانہ کے وزیر رہے۔

غضنفر علی خان (خوراک، زراعت اور صحت)

1946ء کی عبوری حکومت میں بھی وہ وزیر صحت تھے۔ اُن کا تعلق ضلع جہلم کی اپر مڈل کلاس سے تھا۔ 46-1937ء پنجاب اسمبلی کے پارلیمانی سیکریٹری رہے۔

جوگندر ناتھ منڈل (قانون، محنت)

اقلیت سے تعلق رکھنے والے سیاست دان اُچھوت ہندو جوگندر ناتھ منڈل کو قانون اور محنت کا وزیر بنایا گیا۔ قیام پاکستان کے موقع پر 10 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کا افتتاحی اجلاس اُن کی صدارت میں ہوا۔ وہ 1945ء کی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے کوٹے سے وزیر قانون اور پارلیمانی اُمور نامزد کیے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم اپنے سیاسی اُصولوں پر کاربند رہے۔ انہوں نے پاکستان کی غیر مسلم اقلیت کو وفاقی کابینہ میں نمائندگی دی۔ وزارت قانون کا محکمہ جوگندر ناتھ منڈل کے سپرد کیا گیا تاکہ پاکستان میں ایسی قانون سازی نہ کی جاسکے جن سے اقلیتوں کے حقوق سلب کیے جاسکتے ہوں یا انہیں مذہبی بنیادوں پر انتقام کا نشانہ بنایا جاسکے۔[1] قائداعظم کی وفات کے بعد مارچ 1949ء میں قرارداد مقاصد منظور کر کے مذہب کو سیاست میں شامل کرلیا گیا۔ جوگندر ناتھ منڈل 1950ء میں پاکستان سے بھارت منتقل ہوگئے۔

فضل الرحمٰن (داخلہ، تعلیم اور اطلاعات)

ان کا تعلق مشرقی پاکستان کے خوشحال خاندان سے تھا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کی طرف سے بنگال اسمبلی کے رکن نامزد ہوئے۔ 1946ء میں بنگال کے وزیر خزانہ مقرر ہوئے۔

سر ظفر اللہ خان (خارجہ اُمور)

ان کا تعلق سیالکوٹ سے تھا۔ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 32-1930ء میں گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی۔ ان کو کچھ عرصہ بعد کابینہ میں شامل کیا گیا۔ خارجہ اُمور کا محکمہ ان کے سپرد کیا گیا۔ وہ چوں کہ پاکستانی وفد برائے اقوامِ متحدہ کے لیڈر کی حیثیت سے بیرون ملک تھے اس لیے 15 اگست 1947ء کو حلف نہ اُٹھا سکے۔ سر ظفر اللہ، احمدی تھے۔ وہ وائسرائے ایگزیکٹو کونسل کے رُکن اور متحدہ ہندوستان کی فیڈرل کورٹ

کے جج بھی رہے۔

خواجہ شہاب الدین (داخلہ)

ان کا تعلق ڈھاکہ سے تھا۔ 1936ء میں گورنر بنگال کی انتظامی کونسل کے رکن مقرر ہوئے۔ مئی 1948ء میں چندریگر، کابل میں پاکستان کے سفیر نامزد ہو کر چلے گئے اور مشرقی بنگال کے خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ کی حیثیت سے کابینہ میں شامل ہوئے جب کہ فضل الرحمٰن کو تجارت کی وزارت دی گئی۔

پیرزادہ عبدالستار (خوراک، زراعت، صحت)

ان کا تعلق سکھر سے تھا۔ 1937ء میں سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 1946ء میں سندھ کابینہ میں وزیر مقرر ہوئے۔ جولائی 1948ء میں غضنفر علی خان، ایران میں پاکستان کے سفیر نامزد ہوئے اُن کی جگہ پیرزادہ خان عبدالستار خوراک، زراعت اور صحت کے وزیر بن گئے۔

جولائی 1948ء میں ریاستوں اور قبائلی علاقوں کی ایک وزارت قائم کی گئی جو گورنر جنرل پاکستان قائداعظم نے اپنے پاس رکھی۔[2]

قائداعظم نے اپنے پالیسی خطاب (11 اگست 1947ء) میں کہا تھا، ''مذہب کا ریاست کے کاروبار سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔'' انہوں نے اپنے اس قول پر عمل کیا اور کسی مذہبی شخصیت کو کابینہ میں شامل نہ کیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور پیر آف مانکی شریف نے تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کا بھرپور ساتھ دیا۔ مولانا عثمانی مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن تھے مگر قائداعظم نے اُن کو صوبے اور مرکز کی وزارت میں شامل نہ کیا۔ قائداعظم نے قانون سازی کی ذمہ داری ایک ہندو کو سونپ دی اور مذہبی اُمور کی وزارت یا ڈویژن بھی قائم نہ کیا۔ اگر قائداعظم پاکستان میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے قائل ہوتے تو وہ کبھی ایک ہندو کو وزیر قانون اور ایک احمدی کو وزیر خارجہ نامزد نہ کرتے۔ پہلی وفاقی کابینہ میں ایک بھی بڑا سرمایہ دار، جاگیردار اور صنعت کار شامل نہیں تھا۔ قائداعظم نے مغربی اور مشرقی پاکستان کے اُمورِ مملکت کو چلانے کے لیے ابتدا میں صرف سات وفاقی وزراء پر مشتمل کابینہ تشکیل دی۔ نیک نام، تجربہ کار اور اہل شخصیات کو کابینہ میں شامل کیا گیا۔ انھوں نے اقربا پروری اور احباب نوازی سے گریز کیا۔ قائداعظم نے پہلی وفاقی کابینہ کی تشکیل میرٹ پر کی اور اپنے عملی اقدام سے میرٹ پر نامزدگیاں کرنے کا درس دیا۔ قیام پاکستان کے بعد تجربہ کار افراد کی کمی تھی اس لیے کابینہ سازی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جب کابینہ کا اعلان ہوا تو بنگالی سیاست دان مایوس ہوئے کیوں کہ بنگال سے صرف ایک وزیر لیا گیا تھا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ کابینہ میں لیاقت کے "Yes Man" خوشامدی شامل کیے گئے۔[3]

کے جج بھی رہے۔

خواجہ شہاب الدین (داخلہ)

ان کا تعلق ڈھاکہ سے تھا۔ 1936ء میں گورنر بنگال کی انتظامی کونسل کے رکن مقرر ہوئے۔ مئی 1948ء میں چندریگر، کابل میں پاکستان کے سفیر نامزد ہو کر چلے گئے اور مشرقی بنگال کے خواجہ شہاب الدین وزیر داخلہ کی حیثیت سے کابینہ میں شامل ہوئے جب کہ فضل الرحمٰن کو تجارت کی وزارت دی گئی۔

پیرزادہ عبدالستار (خوراک، زراعت، صحت)

ان کا تعلق سکھر سے تھا۔ 1937ء میں سندھ اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور 1946ء میں سندھ کابینہ میں وزیر مقرر رہوئے۔ جولائی 1948ء میں غضنفر علی خان، ایران میں پاکستان کے سفیر نامزد ہوئے اُن کی جگہ پیرزادہ خان عبدالستار خوراک، زراعت اور صحت کے وزیر بن گئے۔

جولائی 1948ء میں ریاستوں اور قبائلی علاقوں کی ایک وزارت قائم کی گئی جو گورنر جنرل پاکستان قائداعظم نے اپنے پاس رکھی۔[2]

قائداعظم نے اپنے پالیسی خطاب (11 اگست 1947ء) میں کہا تھا، ''مذہب کا ریاست کے کاروبار سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔'' انہوں نے اپنے اس قول پر عمل کیا اور کسی مذہبی شخصیت کو کابینہ میں شامل نہ کیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور پیر آف مانکی شریف نے تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کا بھرپور ساتھ دیا۔ مولانا عثمانی مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن تھے مگر قائداعظم نے اُن کو صوبے اور مرکز کی وزارت میں شامل نہ کیا۔ قائداعظم نے قانون سازی کی ذمہ داری ایک ہندو کو سونپ دی اور مذہبی اُمور کی وزارت یا ڈویژن بھی قائم نہ کیا۔ اگر قائداعظم پاکستان میں اسلامی ریاست قائم کرنے کے قائل ہوتے تو وہ کبھی ایک ہندو کو وزیر قانون اور ایک احمدی کو وزیر خارجہ نامزد نہ کرتے۔ پہلی وفاقی کابینہ میں ایک بھی بڑا سرمایہ دار، جاگیردار اور صنعت کار شامل نہیں تھا۔ قائداعظم نے مغربی اور مشرقی پاکستان کے اُمورِ مملکت کو چلانے کے لیے ابتدا میں صرف سات وفاقی وزراء پر مشتمل کابینہ تشکیل دی۔ نیک نام، تجربہ کار اور اہل شخصیات کو کابینہ میں شامل کیا گیا۔ انھوں نے اقربا پروری اور احباب نوازی سے گریز کیا۔ قائداعظم نے پہلی وفاقی کابینہ کی تشکیل میرٹ پر کی اور اپنے عملی اقدام سے میرٹ پر نامزدگیاں کرنے کا درس دیا۔ قیام پاکستان کے بعد تجربہ کار افراد کی کمی تھی اس لیے کابینہ سازی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جب کابینہ کا اعلان ہوا تو بنگالی سیاست دان مایوس ہوئے کیوں کہ بنگال سے صرف ایک وزیر لیا گیا تھا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ کابینہ میں لیاقت کے "Yes Man" خوشامدی شامل کیے گئے۔[3]

بنگال کے لیڈر سہروردی لکھتے ہیں کہ بنگال کی آبادی 56 فیصد تھی مگر پاکستان کی حکومت کے بڑے منصب (گورنر جنرل، وزیراعظم) غیر بنگالیوں کو دے دیئے گئے۔ جو ایک غیر جمہوری ... چوہدری محمد علی (سول سرونٹ) حکومت پاکستان کے سیکریٹری جنرل اور عزیز احمد (سول سرونٹ) ... پاکستان کے چیف سیکریٹری بن گئے۔ قائداعظم اور لیاقت علی مہاجر تھے اور نئی ریاست کے پیچیدہ ... اور ثقافتی مسائل سے آگاہ نہیں تھے، لہٰذا وہ بیوروکریسی کی خواہشات کے زیر اثر آ گئے۔[4]

کابینہ کا پہلا اجلاس 15 اگست 1947ء کو ہوا جس کی صدارت وزیراعظم لیاقت علی خان نے ... پاکستان کو ابتداء ہی میں سنگین مسائل کا سامنا تھا لہٰذا کابینہ کی جانب سے متفقہ طور پر قائداعظم کو کابینہ کے اجلاسوں کی صدارت کے لیے دعوت دی جاتی۔ کابینہ میں اختلاف رائے کی صورت میں قائداعظم کی رائے سے اتفاق کیا جاتا۔[5]

حواشی

Kieth Callard: *Pakistan: A political study*, p. 246

Ch. Muhammad Ali: *The Emergence of Pakistan*, p. 242

Shahnawaz: *Father and Daughter*, p. 208, Farooq Dar, PhD Thesis, p. 75

Suharwardy: *Memiors*, pp. 36-38

Minutes of the Meeting of Cabinet, August 15, 1947 NDC, 24/CF/47. Ian Talbot: *Pakistan: A Modern History*, p. 135

اسکندر مرزا کو انتباہ کیا کہ اگر چند گھنٹوں میں امن بحال نہ ہوا تو کسی اور کو سیکریٹری دفاع مقرر کرنا پڑے گا۔

قائداعظم چونکہ خود قانون کی بالادستی میں یقین رکھتے تھے اور قوانین کے مطابق اپنے سرکاری فرائض ادا کرتے تھے، اس لیے سرکاری ملازمین بھی قواعد و ضوابط کے بارے میں بڑے محتاط تھے۔ ہارون آر صدیقی اپنے والد شجاعت علی صدیقی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ 1947ء میں ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل تھے اور وزارت خزانہ کے ماتحت تھے۔ کسی نے وزارت خزانہ کو شکایت کر دی کہ ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل نے لائل پور (فیصل آباد) کا نجی دورہ کیا مگر ریلوے کا کرایہ سرکاری خزانے سے حاصل کر لیا، نیز یہ کہ سرکاری اخبار دفتر کی بجائے اُن کے گھر پر دیا جاتا ہے۔ وزارت خزانہ نے اُن کی جواب طلبی کر لی۔ شجاعت صدیقی نے جواب دیا کہ یہ درست ہے کہ اخبار اُن کے گھر پر آتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اخبار کا ہاکر صبح سویرے اخبار تقسیم کرتا ہے جو اس لیے گھر منگواتا ہوں تاکہ اپنے نجی وقت میں اس کا مطالعہ کر کے متعلقہ خبروں پر نشان لگا سکوں۔ میں یہ اخبار ہر روز دفتر لے کر جاتا ہوں۔ ہر ماہ اخبار کی ردی فروخت کر کے رقم خزانے میں جمع کرائی جاتی ہے۔ جہاں تک لائل پور کے دورے کا تعلق ہے۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنے مہاجر سٹاف کی بحالی کے لیے کوشش کروں۔ لائل پور کا ڈپٹی کمشنر میرا دوست ہے۔ میں نے اس سے ملاقات کر کے اور تین درجن مہاجر افراد کی سکونت اور بحالی کا انتظام کرایا۔ لائل پور میں اپنے دوست کے گھر قیام کیا اور ڈیلی الاؤنس وصول نہیں کیا۔ اگر محکمہ سمجھتا ہے کہ میں نے ریلوے کا کرایہ وصول کر کے قواعد کی خلاف ورزی کی تو میں یہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کرانے کے لیے تیار ہوں۔ قائداعظم کے دور میں سرکاری ملازمین کا احتساب ہوتا تھا اور سرکاری ملازمین خوش دلی کے ساتھ جواب دہی کے لیے تیار رہتے تھے۔[21]

قائداعظم نے 24 ستمبر 1917 کو امپیریل لیجسلیٹو کونسل سے خطاب کرتے ہوئے کہا، ''اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے لیے بھرتیاں کرتے ہوئے ہمیں نسل، مذہب اور عقیدہ کے تعصب سے الگ رہنا چاہیے اور بھرتیاں دیانت، اہلیت، میرٹ اور استعداد کی بنیاد پر ہونی چاہئیں۔''

سرکاری خزانے کا استعمال

قائداعظم سرکاری خزانے کے استعمال کے سلسلے میں بے حد محتاط تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں ذاتی طور پر روشن مثالیں چھوڑیں۔ 15 اگست 1947ء کو گورنر جنرل ہاؤس میں ایک استقبالیہ دیا گیا۔ قائداعظم کے اے ڈی سی میجر جنرل گل حسن نے اُن کو رپورٹ پیش کی کہ گورنر ہاؤس میں صرف دو کاریں ہیں جو استقبالیہ تقریب کے لیے ناکافی ہیں، لہٰذا چند کاریں کرایہ پر حاصل کرنے کی اجازت دی جائے۔ قائداعظم نے انکار کر دیا اور کہا کہ وقتی طور پر دوستوں کی کاریں لے کر ضرورت پوری کی جائے۔[22]

ہندوستان میں گاندھی کے قتل کے بعد قائداعظم کو تجویز پیش کی گئی کہ سکیورٹی کے لیے گورنر جنرل

نے دستور ساز اسمبلی مکمل کرنے کی کوشش کی اور اسمبلی کی مشاورت کے لیے ماہرین کی ایک کمیٹی تشکیل دینے پر زور دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کا آئین دستور ساز اسمبلی کے اراکین تیار کریں۔[32] قائداعظم نے جون 1947ء کو وائسرائے سے درخواست کی کہ آئین کی تیاری کے لیے فرسٹ کلاس آئینی ماہر اور ڈرافٹسمین فراہم کیا جائے جو آئین کی تیاری کے لیے پاکستان کی معاونت کر سکے۔[33] قائداعظم نے آئین کی تیاری کے لیے دنیا کے مختلف ممالک کے دساتیر کا مطالعہ کیا۔[34]

قائداعظم نے آئین کی تیاری کے لیے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس مسلسل جاری رکھنے کی کوشش کی مگر حالات نے اجازت نہ دی۔ انہوں نے اپنی زندگی میں آئین کی تیاری کے لیے 24 اگست 1948ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کیا مگر یہ اجلاس جاری نہ رہ سکا۔[35]

قائداعظم نے 25 فروری 1948ء کو عید میلادالنبی کے موقع پر کراچی بار سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے آئین کے بارے میں کہا:

''وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ لوگوں کا ایک طبقہ جو دانستہ طور پر شرارت کرنا چاہتا ہے، یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر اُستوار نہیں کی جائے گی۔ آج بھی اسلامی اُصولوں کا زندگی پر اُسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو برس پیشتر ہوتا تھا۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یا کچھ لوگ جو اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے ہیں، میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔

''اسلام اور اس کے اعلیٰ نصب العین نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔ اسلام نے ہر شخص کو مساوات، عدل اور انصاف کا درس دیا ہے۔ کسی کو جمہوریت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے جب کہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہو اور اس کی بنیاد ہر شخص کے لیے انصاف اور عدل پر رکھی گئی ہو۔ ہمیں اسے (پاکستان کا آئندہ دستور) بنا لینے دیجیے۔ ہم یہ بنائیں گے اور ہم اسے ساری دنیا کو دکھائیں گے۔''[36]

قائداعظم ایک ایسا آئین تیار کرنا چاہتے تھے جو اسلام کے سنہری اُصولوں کے مطابق جمہوری ہوگا جس کی بنیاد پر مذہبی حکومت قائم نہ ہو سکتی ہو اور جو اقلیتوں کے حقوق کے مکمل تحفظ کا ضامن ہو۔ قائداعظم نے فروری 1948ء میں امریکی عوام سے خطاب کرتے ہوئے آئین کے بارے میں کہا:-

شہرت حاصل ہے اور ان کی نئی ٹیکنیک کو اپنانے کی صلاحیت کا استعمال کرے تو یہ بہت جلد صنعت کے میدان میں بھی بہتر نقوش چھوڑ دے گا۔''[122]

دسمبر 1947ء کو حکومت پاکستان نے فضائی ٹرانسپورٹ پالیسی کا اعلان کیا۔ فضائی سروس دو ایئر لائنز تک محدود تھی۔ حکومت تمام شیڈولڈ پروازوں کے لیے لائسنس جاری کرتی تھی۔[123]

قائداعظم نے ستمبر 1947ء میں ٹیکنیکل انسٹی ٹیوشن قائم کرنے کے لیے سر آغا خان سے چار ملین روپے وصول کیے۔[124] کاش ہمارے حکمران قائداعظم کے معاشی ماڈل پر عمل کرتے تو ہم آج معاشی بدحالی کا شکار نہ ہوتے۔

قائداعظم نے ایک موقع پر کہا، ''ہمارا مقصد امیر کو امیر تر بنانا اور دولت کے ڈھیر کو چند افراد کے ہاتھوں میں مرتکز کرنے والا عمل تیز کرنا نہیں، ہمیں اپنی توجہ عوام کے معیار زندگی کو ہموار اور مساویانہ کرنے پر مرتکز رکھنی چاہیے۔'' قائداعظم کے معاشی وژن کے مطابق نئی ریاست پاکستان کے شہریوں کی بنیادی ضروریات پر توجہ دینا تھا تا کہ ہر شہری بلا امتیاز روٹی کپڑا مکان، تعلیم صحت، صاف پانی اور روزگار کی سہولتیں حاصل کر سکے۔

قائداعظم گھریلو صنعتوں کے ذریعے صنعتی انقلاب برپا کرنا چاہتے تھے ان کی پہلی ترجیح زراعت کی ترقی تھی جو عوام کے لیے روٹی اور روزگار کا ذریعہ بن سکتی تھی۔ پانی سے سستی بجلی پیدا کرنے کے لیے چھوٹے ڈیموں کی تعمیر قائداعظم کے معاشی وژن کا بنیادی نکتہ تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے خالد شمس الحسن کی کتاب ''قائداعظم کا ادھورا خواب'' ترجمہ منیر احمد منیر)

خواتین

قائداعظم خواتین کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران اور پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت میں ہر اہم موقع پر اپنی بہن فاطمہ جناح کو اپنے ساتھ رکھا۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ خواتین کو چار دیواری میں بند رکھنا انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ خواتین کو زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے ساتھ کام کرنے کے مواقع ملنے چاہئیں، البتہ مغربی کلچر کی بجائے ہمیں مشرقی کلچر کو فروغ دینا چاہیے۔ آپ کسی جاہل عورت سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ بچوں کی مناسب نگہداشت اور پرورش کر سکے۔ خواتین اہم قومی اثاثہ ہیں۔ ہمیں اس اثاثے کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔[125]

قائداعظم جب بھی مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نامزد کرتے تو اس میں خواتین کو بھی نمائندگی دیتے۔ مولانا محمد علی جوہر کی بیوہ بیگم محمد علی 28 مارچ 1947ء تک ورکنگ کمیٹی کی رُکن رہیں۔ ناگہانی وفات کی بنا پر وہ آزاد وطن کا منظر نہ دیکھ سکیں۔[126]

قائداعظم کے اے ڈی سی میاں عطا ربانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ایک دن وہ فون پر اپنی بیگم سے بات کر رہے تھے۔ اُن کا گلا چونکہ خراب تھا اس لیے وہ زور سے بات کر رہے تھے۔ قائداعظم نے ربانی سے پوچھا کہ کس سے بات کر رہے تھے۔ ربانی نے بتایا کہ وہ اپنی بیگم سے بات کر رہے تھے۔ قائداعظم نے کہا:

''یہ مناسب نہیں ہے۔ عورتوں سے چیخ کر بات نہیں کرنی چاہیے۔''127

"It is not right. Do not shout at ladies."

قائداعظم نے 28 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں ریڈیو پاکستان پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے خواتین سے کہا:۔

''مجھے علم ہے کہ حصول پاکستان کی طویل جدوجہد میں مسلم خواتین اپنے مردوں کے پیچھے مضبوطی کے ساتھ ڈٹی رہی ہیں۔ اب ہمیں تعمیر پاکستان میں اس سے زیادہ بڑی جدوجہد کا سامنا ہے۔ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دیجئے کہ پاکستان کی خواتین کسی سے پیچھے رہ گئیں یا اپنے فرض کی ادائیگی میں ناکام ہوگئیں۔''128

"I know that in the long struggle for the achievement of Pakistan, Muslim women have stood solidly behind their men. In the bigger struggle for the building up of Pakistan that now is ahead, let it not be said that the women of Pakistan had lagged behind or failed in their duty."

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس (1938ء) میں فاطمہ جناح کی سربراہی میں تیس رُکنی کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں مختلف صوبوں اور دہلی سے نمایاں خواتین کو شامل کیا گیا۔ بیگم شاہنواز بھی اس کمیٹی کی رکن تھیں۔ بیگم شاہنواز نے لندن میں ہونے والی تین گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی وہ 1931ء سے 1937ء مسلم لیگ کونسل کی واحد خاتون رکن تھیں۔

خورشید آرا بیگم، نواب صدیق علی خان نے قائداعظم سے اپنی ملاقات کے بارے میں بتایا:

''میں نے پٹنہ (1938ء) میں قائداعظم سے پہلی بار ملاقات کی۔ میں اُس وقت برقعہ پہنتی تھی۔ میں نے اپنے خاوند کے مشورے پر اپنی زندگی میں پہلی بار قائداعظم سے ملاقات سے پہلے برقعہ اُتار دیا۔ مجھے علم تھا کہ وہ بہت خوش لباس اور وقت کے بارے میں بڑے حساس ہیں۔ میں اُن سے بہت خوف زدہ تھی۔ جب میں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو میری نظریں فرش پر تھیں اور میری ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ جب میں نے اُوپر دیکھا تو قائداعظم میرے سامنے کھڑے تھے۔ انہوں نے ہاتھ ملانے کے لیے

اپنا ہاتھ میری جانب بڑھایا۔ میں قدرے جھکی اور اُن سے ہاتھ ملایا۔ میرا خاوند یہ منظر دیکھ کر بہت خوش ہوا کیوں کہ اُن کو علم تھا کہ میں ایک معروف قاضی کی بیٹی ہوں اور کٹر مذہبی عقائد کی حامل ہوں، لہٰذا میں قائداعظم سے ہاتھ ملانے سے گریز کروں گی۔"[129]

قائداعظم نے خواتین کی قوت کے بارے میں تحریر کیا:

"دنیا میں دو طاقتیں ہیں ایک تلوار ہے اور دوسری قلم ہے۔ ان دونوں کے درمیان مسابقت اور مخاصمت رہی ہے۔ ایک تیسری طاقت بھی ہے جو ان دونوں سے زیادہ طاقتور ہے اور وہ خواتین ہیں۔"

There are two powers in the world one is sword the other is pen. There in great competition and rivilary between the two. There is a third power stronger than both that is of the women.

(Sharif-Al-Mujahid: The Jinnah Anthology, P 99)

اقلیتیں

متحدہ ہندوستان میں قائداعظم مسلمان اقلیت کے لیڈر تھے۔ مسلمانوں کے حقوق کے لیے انہوں نے اپنی زندگی وقف کردی۔ قائداعظم نے ہندوستان کی غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے لیے بھی سیاسی جنگ لڑی۔ وہ ایسے پاکستان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جس میں غیر مسلم اقلیتوں کو مساوی حقوق حاصل نہ ہوں۔ انہوں نے 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں یہ تاریخی الفاظ کہے:۔

"اب آپ آزاد ہیں۔ مملکت پاکستان میں آپ آزاد ہیں۔ اپنے مندروں میں جائیں، اپنی مساجد میں جائیں یا کسی اور عبادت گاہ میں۔ آپ کا کسی مذہب، ذات، پات یا عقیدے سے کوئی تعلق ہو۔ کاروبار مملکت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب ہمیں اس بات کو ایک نصب العین کے طور پر اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے اور پھر آپ دیکھیں گے کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا، نہ ہندو ہندو رہے گا، نہ مسلمان مسلمان، مذہبی اعتبار سے نہیں کیوں کہ یہ ذاتی عقائد کا معاملہ ہے بلکہ سیاسی اعتبار سے اور مملکت کے شہری کی حیثیت سے۔"[130]

کوئی سیاسی رہنما اس سے زیادہ پُرجوش اور پرعزم انداز میں اور اس قدر شاندار الفاظ میں اقلیتوں کے

حقوق کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ قائداعظم مملکت کے شہری کے طور پر مسلمان اور غیر مسلموں کے درمیان کسی قسم کوئی امتیاز اور فرق دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مذہب کو سیاست اور ریاست سے علیحدہ رکھنا چاہتے تھے اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ مذہبی یا اسلامی ریاست میں غیر مسلم دوسرے درجے کے شہری بن جاتے ہیں۔ اقلیتوں کے لیے مساوی حقوق قائداعظم کا سیاسی عقیدہ تھا جس پر وہ اپنی سیاسی زندگی میں مکمل طور پر کاربند رہے۔ انہوں نے 7 فروری 1935ء کو دستور ساز اسمبلی کو بتایا کہ انہوں نے مہاتما گاندھی سے گول میز کانفرنس کے دوران مسلمانوں سے زیادہ ہندو شودروں کے حقوق کے بارے میں بات کی۔ 1934ء دہلی میں انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں کہا کہ وہ انسانیت کے نام پر مسلمانوں سے زیادہ اچھوتوں کا خیال کرتے ہیں۔ 31 جولائی 1944ء میں قائداعظم نے کہا کہ انہوں نے کبھی نچلے درجے کے ہندوؤں کے مسائل کو نظر انداز نہیں کیا اور آئندہ بھی وہ اُن کے حقوق کی حفاظت کریں گے۔[131]

قائداعظم نے 14 جولائی 1947ء کو دہلی میں پریس کو بریف کیا۔ ایک صحافی نے اُن سے سوال کیا کہ آپ گورنر جنرل کی حیثیت میں اقلیتوں کے مسئلہ پر کچھ کہیں گے۔ قائداعظم نے جواب دیا، ''میں نے اقلیتوں کے بارے میں جو بات بار بار کہی ہے، اس سے ہرگز پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ ہر بار جب میں نے اقلیتوں کے بارے میں گفتگو کی تو جو کچھ میرا مطلب تھا وہی میں نے کہا اور جو کچھ میں نے کہا، وہی میرا مطلب تھا۔ اقلیتوں کا تحفظ کیا جائے گا۔ اُن کا مذہب یا دین یا عقیدہ محفوظ ہوگا۔ اُن کی عبادت کی آزادی میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ انہیں اپنے مذہب، عقیدے، اپنی جان اور اپنے تمدن کا تحفظ حاصل ہوگا۔ وہ بلا امتیاز ذات پات اور عقیدہ ہر اعتبار سے پاکستان کے شہری ہوں گے۔''[132]

قائداعظم نے 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

''مجھے اس موقع پر اس بات کا اعادہ کرنے کی اجازت دیجئے جو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ برتاؤ کریں گے۔ اُن کی جان اور مال پاکستان میں ہندوستان کے مقابلے میں زیادہ محفوظ اور مامون ہیں اور ہم امن برقرار رکھیں گے اور پاکستان کے ہر شہری کا بلا امتیاز ذات پات، عقیدہ اور فرقہ مکمل تحفظ کیا جائے گا۔''[133]

قائداعظم نے گورنر جنرل پاکستان کا حلف اُٹھانے کے بعد 17 اگست 1947ء کو اتوار کے دن ہولی ٹرینیٹی چرچ کراچی کا دورہ کر کے کرسچین کمیونٹی کے ساتھ اظہار یک جہتی کیا اور پاکستان کی اقلیتوں کو یہ پیغام دیا کہ اُن کو پاکستان میں مساوی حقوق اور مساوی مراعات حاصل ہوں گی۔[134] قائداعظم ایسے پاکستان کا تصور

بھی نہیں کر سکتے تھے جس میں اقلیتوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا جائے۔

ڈاکٹر منیر انجم اور ڈاکٹر شہناز طارق نے تحریک پاکستان میں اقلیتوں کے سرگرم اور پُرجوش کردار کے بارے میں تفصیلی پیپر لکھا ہے۔ ان کے مطابق جب 23 جون 1947ء کو پنجاب اسمبلی میں پاکستان کے حق میں قرارداد پیش کی گئی تو آل انڈیا کرسچین ایسوسی ایشن نے قائداعظم کے مطالبے کی حمایت کی اور پنجاب اسمبلی کے تمام کرسچین ارکان نے قرارداد کے حق میں ووٹ دیا۔[135]

لیڈی ہارون نے ڈان کے ایک آرٹیکل میں تحریر کیا کہ قائداعظم ان کے گھر میں پاکستان کے قومی پرچم کے بارے میں اپنے رفقاء سے مشاورت کر رہے تھے۔ ان کو پرچم کا جو ڈیزائن پیش کیا گیا، اس میں سفید پٹی (جو اقلیتوں کی نمائندگی کرتی تھی) چھوٹی تھی۔ قائداعظم نے کہا کہ سفید پٹی کو بڑا کرو، میں پاکستان میں اقلیتوں کو زیادہ سپیس دینا چاہتا ہوں۔

حواشی

Larry Collins: *Freedom at Midnight*, p. 119